جلد ۸ اکتوبر ۱۹۶۷ء شمارہ ۱۰

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان و بھارت چھ روپے
دیگر ممالک تیرہ شلنگ

فی پرچہ ساٹھ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنا انصار اللہ ربوہ

اکتوبر ۱۹۶۷ء

اخاء ۱۳۴۶ ھ ش

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے ❖ فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

(ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی - ربوہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جلد ۸ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۱۰

اکتوبر ۱۹۶۷ء

اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی برکات کا نزول اور ہمارا فرض

پہلے سے بڑھ کر ذکرِ الٰہی کرنے اور قربانیاں پیش کرنے کی ضرورت

اللہ تعالیٰ جب کسی مومن کو اس کی انفرادی حیثیت میں یا مومنوں کی جماعت کو اس کی اجتماعی حیثیت میں کسی انعام یا کامیابی سے نوازتا ہے تو وہ ایسے مومن یا مومنوں کی ایسی جماعت سے اُس انعام یا کامیابی پر ایک خاص قسم کے ردِ عمل کی توقع رکھتا ہے۔ اگر ان کا ردِ عمل اُس کے منشاء کے عین مطابق ہو تو وہ انہیں اور زیادہ انعامات سے نوازتا ہے اور انہیں پہلے سے بھی بڑھ کر کامیابیاں عطا فرما کر درجہ بدرجہ انہیں فائز المرام کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ کیا ردِ عمل ہے جس کی اللہ تعالیٰ ہر انعام یافتہ مومن اور مومنوں کی ہر تائید یافتہ جماعت سے توقع کرتا ہے؟ بلاشبہ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے۔ ہر مومن کے لئے اس سے باخبر ہونا اور اس کے مالہٗ و ما علیہ سے آگاہ ہونا از بس ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ صرف مزید انعامات اور کامیابیوں کا حصول ممکن نہیں ہوسکتا بلکہ اس بات کا بھی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں ایسا مومن یا ایسی جماعت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے کر موردِ غضبِ الٰہی نہ بن جائے۔

سو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انعام اور تائید یافتہ حقیقی مومنوں کے متوقع ردِ عمل کو کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے اور بیان بھی فرمایا ہے بار بار اور بہ تکرار تاکہ مومن اس بارہ میں ہرگز غفلت سے کام نہ لیں بلکہ صحیح ردِ عمل کا اظہار کر کے مزید انعامات اور کامیابیوں کے وارث بنیں۔ مختصراً وہ ردِ عمل یہی ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ مومنوں کو کسی انعام سے نوازے یا کامیابی عطا فرمائے تو اُن کو چاہیئے کہ وہ اَور زیادہ عاجزی اختیار کریں، اللہ تعالیٰ کے حضور اَور زیادہ جھکیں، اُس کا ذکر اَور بھی زیادہ کثرت سے کریں اور اُس کی راہ میں پہلے سے بھی بڑھ کر قربانیاں کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اپنے انعامات اور آئندہ ملنے والی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (سورۃ الم نشرح)

کیا ہم نے تیرے لئے تیرے سینے کو کھول نہیں دیا۔ اور تیرے اس بوجھ کو تجھ سے اُتار کر پھینک نہیں دیا، ایسا بوجھ جس نے تیری کمر توڑ رکھی تھی! اور تیرے ذکر کو بھی ہم نے بلند کر دیا ہے۔ پس (یاد رکھ) اِس تنگی کے ساتھ ایک بڑی کامیابی مقدر ہے، ہاں یقیناً اِس تنگی کے ساتھ ایک اَور بھی بڑی کامیابی مقدر ہے۔ پس (تیرا فرض ہے کہ) جب تُو فارغ ہو تو (خدا تعالیٰ سے ملنے کے لئے) پھر کوشش میں لگ جا اور تُو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے مومنوں کو اپنے انعامات یاد دلا کر اور آئندہ ملنے والی کامیابیوں کی بشارت دے کر انہیں یہی باور کرایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِس فضل کو دیکھ کر ان کا فرض یہ ہے کہ وہ اَور بھی زیادہ خدا کے حضور میں جھکیں اور بڑی رغبت اور دلی ذوق و شوق کے ساتھ اُس کے ذکر میں مصروف ہو جائیں اور پھر اپنی سابقہ قربانیوں کو ہی کافی نہ سمجھیں بلکہ اس کی راہ میں مزید قربانیاں دینے کے لئے تیار رہیں۔

اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایک اَور بہت بڑا انعام یاد دلایا ہے اور انہیں اور زیادہ اللہ کو یاد کرنے اور مزید قربانیاں پیش کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (سورۃ الکوثر)

(اے نبی!) یقیناً ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے۔ سو تو (اس کے شکریہ میں) اپنے رب کی (کثرت سے) عبادت کر اور اُسی کی خاطر قربانیاں کر اور یقین رکھ تیرا مخالف ہی نرینہ اولاد سے محروم ثابت ہوگا۔

اسی پر بس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ حاصل ہونے والی غیر معمولی نصرت اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے عظیم الشان غلبہ کی بشارت دے کر آئندہ کے لئے بھی پہلے سے خبردار فرما دیا کہ جب یہ نصرت آئے اور اسلام کو کامل غلبہ حاصل ہو اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں تو اُس وقت تمہارا یہ فرض ہوگا کہ تم ایسی عظیم الشان کامیابی پر مغرور نہ ہو جانا بلکہ اور زیادہ اللہ کے حضور جھکنا اور اور زیادہ اُس کی پاکیزگی بیان کرنا۔ اگر ایسا کروگے تو اللہ تعالیٰ آئندہ بھی تمہیں ترقیات عطا کرتا چلا جائے گا کیونکہ خدا تعالیٰ صرف ایک دفعہ ہی اپنا فضل نازل نہیں کرتا بلکہ اگر اُس کے بندے اُس کے آگے جھکیں اور اگر اُس کی پاکیزگی بیان کرنے میں سُست نہ ہوں تو وہ بار بار اپنے افضال نازل کرتا ہے اور مسلسل نازل کرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (سورة النصر)	جب اللہ کی مدد اور کامل غلبہ آجائے گا اور تو اس بات کے آثار دیکھ لے گا کہ اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہوں گے اُس وقت تُو اپنے رب کی تعریف کے ساتھ ساتھ اُس کی پاکیزگی بیان کرنے میں مشغول ہو جا اور (مسلمانوں

کی تربیت میں جو کوتاہیاں ہوئی ہوں اُن پر) خدا سے پردہ ڈالنے کی دعا کیجیو۔ وہ یقیناً اپنے بندے کی طرف رحمت کے ساتھ لَوٹ لَوٹ کر آنے والا ہے۔

قرآن مجید کی اِن تینوں صورتوں کی رُو سے جو ہم نے سطورِ بالا میں درج کی ہیں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ جب بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی انعام ملے یا وہ انہیں کسی کامیابی سے نوازے تو وہ اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور اس کی حمد و ثناء بیان کرنے میں مصروف ہو جائیں اور دین کی خاطر اور زیادہ قربانیاں کرنے کے لئے مستعد اور تیار رہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ جو بے انتہا رحم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا اور پہلے سے بھی بڑھ کر کامیابیوں سے نوازے گا اور اس طرح ان کا قدم ہر آن ترقی کی طرف اُٹھتا چلا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامیابی ملنے پر اور زیادہ تعہد کے ساتھ ذکرِ الٰہی کرنے کی اِس اہمیت کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا سورتیں نازل ہونے کے بعد سے تو ذکرِ الٰہی کے معمول میں اور زیادہ تعہد سے کام لے کر اسے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا تھا۔ یوں تو پہلے ہی دن اور رات کا ہر ہر لمحہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا ذکرِ الٰہی میں ہی گزرتا تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اِس قول سے ظاہر ہے کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ تاہم اِن سورتوں کے نازل ہونے کے بعد آنحضورؐ نے اِس بارہ میں پہلے سے زیادہ تعہّد کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ بخاری کتاب التفسیر کی ایک حدیث سے اِس پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے :-

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ: مَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً بَعْدَ اَنْ نَزَلَتْ عَلَیْہِ: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ اِلَّا یَقُوْلُ فِیْھَا سُبْحَانَکَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ نازل ہونے کے بعد جب بھی آپ نماز پڑھتے تو اس میں بکثرت یہ دعا مانگتے سُبْحَانَکَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ۔ یعنی اے ہمارے پروردگار تُو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں۔ اے میرے اللہ! تو مجھے بخش۔

(حدیقۃ الصالحین مرتبہ ملک سیف الرحمٰن صاحب)

چونکہ خدائی وعدوں اور بشارتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے نشانات بارش کی طرح برس رہے تھے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفارِ مکّہ کے بالمقابل کامیابیوں پر کامیابیاں عطا فرما رہا تھا حتّٰی کہ اُس نے فتح مکّہ کے بعد یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا نظارہ بھی دکھایا اِسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ایک طرف خود ذکرِ الٰہی میں زیادہ ہی زیادہ تعہّد سے کام لے رہے تھے وہاں دوسری طرف صحابہؓ کو بھی مسلسل توجہ دلاتے رہتے تھے کہ وہ اِن کامیابیوں پر محض خوش ہی نہ ہوں بلکہ خدائی حکم کی تعمیل میں اَور زیادہ عزم و تعہّد کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی ذکرِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؐ نے ایک شخص کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ سب سے بڑھ کر نیک عمل یہ ہے کہ تیری زبان ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ ایک اَور موقع پر آپؐ نے فرمایا خدائے بزرگ و برتر کا ذکر سب اعمال میں سے بہتر عمل ہے۔ یہ خدا کی راہ میں سیم و زر خرچ کرنے اور دشمنوں کے مقابلہ میں بہادری دکھانے سے بھی درجہ میں بڑھ کر ہے۔ اِسی طرح ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے سب سے افضل وہ لوگ ہوں گے جو کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں۔ انفرادی ذکرِ الٰہی کے ساتھ ساتھ اجتماعی ذکرِ الٰہی پر بھی آپؐ نے کچھ کم زور نہیں دیا۔ جب صحابہؓ نے آپؐ کے ارشاد کی تعمیل میں ذکرِ الٰہی کی مجلسیں منعقد کر کے اجتماعی رنگ میں بھی اللہ تعالیٰ

کا ذکر کرنے میں خاص تعہّد سے کام لینا شروع کیا تو آپؐ نے اس پر بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ آپؐ نے بعض صحابہؓ کو جو باہم مل کر ذکرِ الٰہی کر رہے تھے مخاطب کر کے بشارت کے رنگ میں فرمایا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ خدا تعالیٰ تمہارے اجتماعی ذکرِ الٰہی کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر کا اظہار کرتا ہے۔

پس قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کے واضح حکم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی ارشادات اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کے تعامل اور اُسوۂ حسنہ سے یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی کامیابیوں اور اُس کی تائید و نصرت کے نشانوں پر مومنوں کا بدرجہ اولیٰ یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی ذکرِ الٰہی کا اہتمام کرنے میں معمول سے کہیں بڑھ کر تعہد سے کام لیں اور اس طرح اپنے آپ کو آئندہ ملنے والی کامیابیوں کا مورد بنائیں۔ اس کے بغیر وہ حقیقی معنوں میں فائز المرام اور عند اللہ سرخرو نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کو جسے اُس نے اسلام کو ساری دنیا میں غالب کرنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ قائم فرمایا ہے اپنے وعدوں اور بشارتوں کے بموجب اپنی غیر معمولی تائید و نصرت سے نواز کر عظیم الشان کامیابیاں اور کامرانیاں عطا فرماتا چلا آرہا ہے۔ ایسی عظیم بالشان خدائی جماعت کے افراد ہونے کی حیثیت میں ہمارا بھی بدرجۂ اولیٰ یہ فرض ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنے اور بیش از پیش قربانیاں پیش کرنے سے کسی حال میں بھی غافل نہ ہوں۔ بالخصوص سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حالیہ سفرِ یورپ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تائیدی نشانات جس کثرت اور تواتر سے ظاہر فرمائے ہیں اور سفر کی للّٰہی اغراض کو نہایت عظیم بالشان طریق پر پورا کرتے ہوئے نامساعد اور مخالف حالات میں جماعت کو وہاں جیسی عظیم الشان کامیابیوں سے نوازا ہے اور یورپ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کی سربلندی کے جو غیر معمولی سامان محض اپنے فضل سے بہم پہنچائے ہیں وہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ ہم خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثناء بیان کرنے اور اس کا ذکر بلند کرنے میں پہلے سے بھی بڑھ کر شغف دکھائیں اور اسلام کی سربلندی کی خاطر پہلے سے بہت بڑھ کر قربانیاں پیش کرنے کے لئے ہر دم اور ہر آن تیار رہیں —— انفرادی اور اجتماعی ذکرِ الٰہی کا کوئی ایک موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیں اور بالخصوص جب بھی اجتماعی ذکرِ الٰہی کا موقع پیدا ہو تو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے دیوانہ وار دوڑتے ہوئے آجمع ہوں۔

ہمارے لئے اجتماعی ذکرِ الٰہی کا ایسا ہی ایک انمول موقع مجلس انصار اللہ کا سالانہ مرکزی اجتماع بھی بہم پہنچاتا ہے جو امسال ۲۷، ۲۸، ۲۹ر اکتوبر کو حسب معمول ربوہ میں منعقد ہو رہا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حالیہ سفرِ یورپ کو اپنی بے انداز برکتوں سے نواز کر اپنی معجزانہ تائید و نصرت کے مہتم بالشان نشانات بارش کے قطروں کی طرح ظاہر فرمائے ہیں لہٰذا ہم جملہ اراکین مجلس انصار اللہ پر بدرجۂ اولیٰ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم بہرصورت اور بہرحال اجتماعی ذکرِ الٰہی کے اس انمول موقع سے فائدہ اُٹھانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں، پورے عزم و تعہد کے ساتھ اس موقع پر ہونے والے اجتماعی ذکرِ الٰہی میں شریک ہوں اور باہم مل کر اس کثرت سے اللہ کو یاد کریں اور اس شان سے اُس کا ذکر بلند کریں کہ زمین و آسمان اُس کی حمد و ثناء سے بھر جائیں۔ اس کے بغیر ہم سفرِ یورپ کے سلسلہ میں حاصل ہونے والی معجزانہ کامیابیوں پر اس کے شکر گزار بندے قرار نہیں پا سکتے۔ اس موقع پر اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا ہمارا وہ انتہائی اہم فرض ہے کہ جسکی بجا آوری پر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید کامیابیوں اور کامرانیوں کا عطا ہونا موقوف ہے۔

پس سفرِ یورپ کی کامیابی اس امر کی مقتضی ہے کہ ہم اجتماعی ذکرِ الٰہی کے اس انمول موقع سے جو اجتماع انصار اللہ کی شکل میں ہمارے لئے پیدا ہو رہا ہے فائدہ اٹھانے میں نہ صرف یہ کہ تساہل سے کام نہ لیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق اس سے کماحقہ فائدہ اُٹھانے کے لئے دیوانہ وار مرکز میں کھنچے چلے آئیں اور اس کثرت سے آئیں کہ گزشتہ تمام ریکارڈ مات ہو جائیں۔ ہمیں یہ امر کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ شکر گزاری کے لئے گھر بیٹھے رسمی طور پر محض زبان سے شکر ادا کرنا کافی نہیں ہے ضروری ہے کہ ہم عمل سے بھی اپنے شکر گزار ہونے کا ثبوت دیں۔ عمل کے ذریعہ شکر گزاری سے مراد یہی ہے کہ ہم اور زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکیں، انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کا ذکر کرنے میں اور بھی زیادہ عزم و تعہد اور شغف و انہماک سے کام لیں اور بالخصوص اجتماع انصار اللہ کی شکل میں اجتماعی ذکرِ الٰہی کا جو انمول موقع پیدا ہو رہا ہے اس سے مستفیض ہونے کے لئے دیوانہ وار مرکزِ سلسلہ میں کھنچے چلے آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضور ایدہ اللہ کے سفرِ یورپ کے نتیجہ میں اپنے فضلوں، رحمتوں اور برکتوں کا ایک کوثر عطا فرمایا ہے ہمارے لئے لازمی اور ضروری ہے کہ ہم فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے خدائی حکم کے ماتحت اور زیادہ کثرت کے ساتھ خدا کی عبادت کریں اور دین کی سربلندی کی خاطر پہلے سے بھی بڑھ کر قربانیاں پیش کریں اور کرتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کے سفرِ یورپ کے نتیجہ میں اشاعتِ اسلام کے بوجھ کو جس سے ہماری کمریں ٹوٹی جا رہی تھیں اپنے فضل سے ہلکا کر دکھایا ہے اور اپنی تائید و نصرت کو بارش کی طرح برسا کر ہمارا

سینہ کھول دیا ہے، اب فرض عین کے طور پر ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ ہم فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۔ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ پر اس شان سے عمل کر دکھائیں کہ آسمان پر خدا تعالیٰ کے فرشتے گواہی دیں کہ واقعی یہ خدا تعالیٰ کے شکر گزار بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ایدہ اللہ کے سفر یورپ کے نتیجہ میں ہمیں اپنی غیر معمولی نصرت اور فتح سے نوازا ہے اور وہاں يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کے امکانات کو روشن سے روشن تر کر دکھایا ہے اور اپنے فضل سے اس کے آثار کا ابھی سے مشاہدہ کرا دیا ہے، سو ہم پر بدرجۂ اولیٰ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ پر عمل پیرا ہونے میں ایسا شغف دکھائیں کہ خدا تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور خوشنودی سے نواز کر دنیا پر اس حقیقت کو آشکار کر دے کہ یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف ہم بلکہ ایک دنیا اس خدائی وعدہ کو پورا ہوتے دیکھ لے کہ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ـــــ یہ تبھی ممکن ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی ذکرِ الٰہی کے کسی ایک موقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ اجتماعی ذکرِ الٰہی کے دو انمول مواقع عنقریب آنے والے ہیں۔ ان میں سے ایک مرکزی سالانہ اجتماع ہے اور دوسرا جلسۂ سالانہ۔ انصار اللہ کا فرض ہے کہ وہ امسال اجتماع میں بھی گزشتہ سالوں کی نسبت بہت زیادہ تعداد میں آئیں اور جلسہ سالانہ پر بھی۔ اور اس طرح اپنی شکر گزاری کا عملی ثبوت بہم پہنچا کر تمام دنیا میں غلبۂ اسلام کی شکل میں ظاہر ہونے والی فتحِ مبین کو قریب سے قریب تر لانے والے بنیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انصار اللہ کو حضور ایدہ اللہ کے سفرِ یورپ کی عظیم الشان کامیابی کے نتیجہ میں ان پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ امسال اپنے مرکزی اجتماع میں بھی اور پھر اس کے بعد جلسۂ سالانہ میں بھی اس کثرت سے دیوانہ وار کھنچے چلے آئیں کہ سال بہ سال آنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے تمام سابقہ ریکارڈ مات ہو جائیں اور پھر وہ ہر لمحہ اور ہر ثانیہ ذکرِ الٰہی میں بسر کر کے ان ہر دو مقدس اجتماعی مواقع کی برکات سے اس طرح بہرہ ور ہوں کہ روحانی نعمتوں سے مالا مال ہو کر اپنے گھروں کو فائز المرام لوٹیں یعنی اس حال میں لوٹیں کہ چہرے اُن کے تر و تازہ اور ہشاش بشاش ہوں اور گلوں میں اُن کے رضوانِ یار کے ہار۔ آمین اللّٰھم آمین ✝

کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مقبولِ الٰہی بننے کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس پر ہزاروں موتیں وارد کرے!

بغیر مجاہدہ کے ولی بننے کی خواہش رکھنے والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام مقبول الٰہی بننے کے قرآنی طریق کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''ایک طرف تو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنے کرم، رحم، لطف اور مہربانیوں کی صفات بیان کرتا ہے اور رحمان ہونا ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف فرماتا ہے کہ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اور وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا فرما کر اپنے فیض کو سعی اور مجاہدہ میں منحصر فرماتا ہے نیز اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل ہمارے واسطے ایک اسوہ حسنہ اور عمدہ نمونہ ہے۔ صحابہؓ کی زندگی میں غور کر کے دیکھو۔ بھلا انہوں نے محض معمولی نمازوں سے ہی وہ مدارج حاصل کر لئے تھے؟ نہیں۔ بلکہ انہوں نے تو خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے واسطے اپنی جانوں تک کی پروا نہیں کی اور بھیڑ بکریوں کی طرح خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو گئے جب جا کر کہیں ان کو یہ رتبہ حاصل ہوا تھا۔ اکثر لوگ ہم نے ایسے دیکھے ہیں وہ یہی چاہتے ہیں کہ ایک پھونک مار کر ان کو وہ درجات دلا دئیے جاویں اور عرش تک ان کی رسائی ہو جاوے۔

ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوگا وہ **افضل البشر افضل الرسل والانبیاء** تھے جب انہوں نے ہی پھونک سے وہ کام نہیں کئے تو اور کون ہے جو ایسا کر سکے۔ دیکھو آپؐ نے غار حرا میں کیسے کیسے ریاضات کئے۔ خدا جانے کتنی مدت تک تضرعات اور گریہ وزاری کیا کئے۔ تزکیہ کے لئے کیسی کیسی جانفشانیاں اور سخت سے سخت محنتیں کیا کئے جب جا کر کہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے فیضان نازل ہوا۔

اصل بات یہی ہے کہ انسان خدا کی راہ میں جب تک اپنے اُوپر ایک موت اور حالتِ فنا

وار دنہ کرلے تب تک ادھر سے کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ البتہ جب خدا دیکھتا ہے کہ انسان نے اپنی طرف سے کمال کوشش کی ہے اور میرے پانے کے واسطے اپنے اُوپر موت وارد کر لی ہے تو پھر وہ انسان پر خود ظاہر ہوتا ہے اور اس کو نواز تا اور قدرت نمائی سے بلند کرتا ہے دیکھو قرآن شریف میں ہے۔ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ قاعدین یعنی سُست اور معمولی حیثیت کے لوگ اور خدا کی راہ میں کوشش اور سعی کرنے والے ایک برابر نہیں ہوتے۔ یہ تجربہ کی بات ہے اور سالہا سال سے دراز سے ایسا ہی دیکھنے میں آرہا ہے۔

انسان دنیا میں دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کو بدقسمتی سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ بعض اولیاء اور اقطاب دُنیا میں ایسے بھی موجود ہیں کہ جن کی ایک توجہ سے انسان ولایت کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے اور عرش تک کی اُسے خبر ہو جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو قرآن شریف میں تدبّر کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس کے پانے کے واسطے صدق و اخلاص سے کوشش اور ورزش کرتے ہیں اور یہی ہیں کہ آخر جن کی پُرسوز اور دردمندانہ محنتیں اور کوششیں ضائع نہیں کی جاتیں اور آخر یہ لوگ جو صبر سے خدا تعالیٰ کے دروازے پر مانگتے ہیں اور اخلاص اور صدق سے کھٹکھٹاتے ہیں ان کے واسطے کھولا جاتا ہے اور آخر وہ اپنے صدق و اخلاص اور سچی تڑپ اور حقیقی اضطراب کی وجہ سے خدا کی فیوض کے خزانوں کے مالک اور وارث بنائے جاتے ہیں۔

دیکھو خدا بڑا بے نیاز ہے۔ اُس کو اِس بات کی کیا پرواہ ہے کہ کوئی جہنم میں جاوے یا کہ بہشت میں جاوے۔ کسی کے دوزخ میں جانے سے خدا کا کچھ بگڑتا نہیں اور کسی کے بہشت میں جانے سے سنورتا نہیں۔ خدا کا اس میں ذاتی نفع یا نقصان کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ یعنی کیا بس اتنی بات سے کہ لوگ زبان سے اتنا کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے، خدا راضی ہو جاتا ہے اور حال یہ کہ ابھی ان کے اِس قول کا امتحان نہیں کیا گیا کہ آیا وہ حقیقتاً مومن ہیں بھی یا کہ نہیں اور ان کے اس قول کا صدق و کذب ظاہر نہیں ہوا۔ پس سچی اور حقی بات یہی ہے کہ انسان اوّل صدق، اخلاص اور گدازش اختیار کر کے اپنے اُوپر ہزاروں موتیں وارد کرے تب جا کر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے اور اس کی طرف جھانکتا ہے۔ جنتر منتر سے ولی بن جانے والے خیالات کے لوگ اور صرف ایک چھُوہ سے آسمانی خزانوں کے مالک بن جانے کے خیالات رکھنے والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔......

ہمارے عقیدہ کے موافق تو یہ بات ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ نے اور نہ ہی اس کے رسول نے کسی

بھی یہ راہ نہیں سکھاتی۔ دیکھو صحابہؓ نے کس قدر کوششیں کی ہیں جس کی قسمت میں ہی ایسا ہو کہ اس کی عمر ضائع ہو وہ کتاب اللہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ قرآن شریف پڑھ کر دیکھ لو اس میں کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا کہ خدا تعالیٰ اس شخص پر بھی راضی ہوتا ہے جو اُس کی رضا مندی کی راہوں سے غافل اور لاپرواہی کرنے والا ہو۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رضا مندی کی جو راہیں مقرر کر دی ہیں انہیں کے اختیار کرنے سے وہ راضی ہوتا ہے۔ صاف طور سے اُس نے یہ دُعا سکھا دی ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ دیکھو انسان انسان سے خوش ہو کر اُس کو انعامات عطا کرتا ہے تو کیا خدا اپنی رضا مندی کی راہوں پر چلنے والوں اور اس کی تلاش کرنے والوں سے محبت نہیں کرے گا مگر استعداد بھی ہو اس کے فیوض کے لینے کی۔ ایک گندہ پھوڑا جس میں پیپ اور گندے مواد بھرے ہوں اس پر کیسے رحم کیا جاوے۔ دیکھو صحابہؓ نے حق فرماں برداری اور رضا جوئی ادا کیا تھا اور وہ ایک عمدہ نمونہ اور اعلیٰ مثال ہیں۔ اس ثبوت کے واسطے انہوں نے کس طرح اپنی جانیں قربان کر دیں، اطاعت کی، خون کی ندیاں بہا دیں تو وہ بھی ان کی اس حالت پر کیسا راضی ہو گیا۔

جتنے بھی بزرگ اور اولیاء گزرے ہیں وہ سب مجاہدات اور ریاضات میں اپنے اوقات گزارتے تھے۔ دیکھو باوا فرید صاحب اور جتنے بھی اولیاء اور ابدال گزرے ہیں یہ سب گروہ ایک وقت تک خاص ریاضات اور مجاہدات شاقہ کرنے کی وجہ سے ان مدارج پر پہنچے ہیں اور ان لوگوں نے بڑی سختی سے اور پورے طور سے اتباعِ سُنّت کی ہے جب جا کر ان کی شخصیت، ننگ و ناموس اور خواہ نخواہ کی کبریائی نکلی اور وہ گویا کہ سُوئی کے ناکے میں سے ہو کر نکلے ہیں جس سے ہمیشہ ایسے لوگ نکلا کرتے ہیں جب جا کر کہیں ان لوگوں کو یہ حالتیں نصیب ہوتی ہیں۔ دُعائیں بھی انہی لوگوں کی قبول ہوتی ہیں۔ ورنہ دیکھو جس طرح سے ایک حکیم کی دوائی بجز پرہیز کرنے کے مؤثر نہیں ہوتی اسی طرح سے دُعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے۔ دُعا کچھ اثر نہیں کر سکتی جب تک انسان پورا اور کامل پرہیزگار نہ ہو۔

لوگوں نے بعض اولیاء کی نسبت بعض جھوٹے قصّے کہانیاں بنا رکھی ہیں وہ بھی مخلوق کی راہ میں بڑا بھاری پتھر اور روک ہو جاتے ہیں اور بہتوں کی ٹھوکر کا باعث ہو جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ایک قصہ ایسا گھڑ رکھا ہے کہ ایک چور اُن کے سامنے آیا اور انہوں نے گویا ایک ہی پھونک سے اُس کو ولی اور قطب بنا دیا تھا۔ یاد رکھو کہ کوئی بھی بجز اپنے اُوپر ایک موت وارد کرنے اور پوری اتباعِ سنّت کے کسی خاص اور اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا۔ ہاں البتہ یہ بھی صحیح ہے کہ استعداد کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ بعض طبیعتیں اور استعدادیں ہی اس قسم کی اللہ تعالیٰ نے

بناتی ہوتی ہیں اور ان میں ایسا مادہ رکھا ہوتا ہے کہ نخوت، تکبر، عُجب، پندار وغیرہ رذیل اخلاق اُن سے خود بخود آسانی سے نکل جاتے ہیں اور ایک فانی اور لاشئے بن جاتے ہیں اور جس طرح سے ایک دانہ زمین میں مل کر پہلے خاک ہو جاتا ہے تو پھر خدا اُس کو قدرت سے بڑھاتا ہے۔ اسی طرح سے وہ لوگ بھی اوّل اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں کھو دیتے ہیں تب خدا اُن کو پھر زندہ کرتا ہے اور بڑھاتا اور پھیلاتا ہے اور ان کی قبولیت دنیا کے دلوں میں بڑھا دیتا ہے۔ پس اس طرح سے جو انسان کُل مشکلات کو جو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے امتحان کے واسطے وقتاً فوقتاً وارد ہوں اُن کی برداشت کر لیتا ہے اور اپنی طرف سے کوئی خاص حدود اور شرائط نہیں مقرر کرتا بلکہ خدا پر چھوڑ دیتا ہے تو خدا اس کو اپنے فضل سے وہ کچھ دکھا دیتا ہے جس سے اس کا ایمان قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے اور سلیم قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر جو لوگ ضد کرتے ہیں اور خدا کو اپنے ارادوں کے ماتحت چلانے کی خواہش کرتے ہیں وہ لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور پھر خدا ایسے لوگوں کی پرواہ ہی کیا رکھتا ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ اس کے کروڑوں بندے ہیں اگر نہیں مانتا تو نہ سہی وہ بھی جہنمی گروہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ نشان دکھانے میں بندے کی خواہش اور ارادے کے ماتحت نہیں ہوتا۔ فیضان بھی استعداد پر ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح سے اگر ایک کھایا ہوا دانہ زمین میں باقاعدہ طور سے کاشت کیا جائے تو نہیں اُگتا اور بار ور نہیں ہوتا اسی طرح سے بدبخت لوگ جن پر فردِ جرم شقاوت کا لگ چکا ہے خدا تعالیٰ کے انعامات اور نشانات کے وارث نہیں ہو سکتے۔ بھلا ہی سے بڑھ کر اور کون ہوگا۔ سارا قرآن شریف تدبّر سے پڑھ کر دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے فیض کے حصول کے جو سامان مقرر فرمائے ہیں انہی کی پیروی سے وہ فیضان ملے گا اور ان کی خلاف ورزی کرنے سے ہرگز ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی خدا کے فیض کا وارث ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ۔ یعنی انسان بلحاظ اپنی استعدادوں کے دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ گروہ جس کو ایسے سامانوں کے جمع کرنے اور ایسے اعمال بجا لانے کی توفیق ہوتی ہے جو فیوض و برکاتِ الٰہی کے انوار کے جاذب ہوتے ہیں اور وہ سعید کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے اعمالِ بد اور خبثِ باطن ان کی ترقیوں کے آگے روک ہو کر ان کو اعمالِ صالحہ اور خدائی فیوض و برکات سے دور و مہجور کر دیتے ہیں۔ اب بھی دیکھ لو کہ خوب زور سے تائیداتِ سماوی اور نشانات کی ایک بارش ہو رہی ہے اور ایک سیلاب کی طرح ترقی ہو رہی ہے۔ مگر اس میں بھی وہی داخل ہو سکتے ہیں جن کی روحوں میں سعادت کا حصہ ہے۔ شقی اور بدبخت لوگ باوجود ہزارہا نشانات کے دیکھنے کے ان میں بھی وساوسِ شیطانی کو داخل کر کے سعادت اور قبولِ حق سے محروم رہ جاتے ہیں اور خدا کا بھی یہی منشاء ہے کہ بعض سعادت

کی وجہ سے سعید اور بعض شقاوت کی وجہ سے شقی ہو کر یہ اختلاف قیامت تک برابر قائم رہے۔ پس جن کو خدا تعالےٰ کا منشا رہی ہماری جماعت سے باہر رکھنے کا ہو اس کو ہم کیسے ہدایت دے سکتے ہیں" +

(ملفوظات جلد دہم صفحہ ۲۰۵ تا صفحہ ۲۱۰)

دونوں قسم کی بدیوں سے بچو!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"بدی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کے ساتھ شریک کرنا، اسکی عظمت کو نہ جاننا، اُس کی عبادت اور اطاعت میں کسل کرنا۔ دوسری یہ کہ اُس کے بندوں پر شفقت نہ کرنا، ان کے حقوق ادا نہ کرنا۔ اب چاہیئے کہ دونوں قسم کی خرابی نہ کرو، خدا کی اطاعت پر قائم رہو، جو عہد تم نے بیعت میں کیا ہے اس پر قائم رہو، خدا کے بندوں کو تکلیف نہ دو۔ قرآن کو بہت غور سے پڑھو اور اس پر عمل کرو۔ ہر ایک قسم کے ٹھٹے اور بیہودہ باتوں اور مشرکانہ مجلسوں سے بچو۔ پانچوں وقت نماز کو قائم رکھو۔ غرضکہ کوئی ایسا حکم الٰہی نہ ہو جسے تم ٹال دو۔ بدن کو بھی صاف رکھو اور دل کو ہر ایک قسم کے بیجا کینے، بغض و حسد سے پاک کرو۔ یہ باتیں ہیں جو خدا تم سے چاہتا ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۷۶)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

رَبُّ السَّمَاءِ وَخَالِقُ الْغَبْرَاءِ

(آسمانوں کا رب اور زمین کا خالق)

اَللّٰہُ خَلَّاقِیْ وَمُهْجَةُ مُهْجَتِیْ　　حِبٌّ فَدَتْہُ النَّفْسُ کُلَّ فِدَاءٖ

اللہ میرا خالق ہے اور وہ میری جان کی جان ہے۔ وہ ایسا دوست ہے کہ میری جان بکلی اس پر فدا ہے

وَلَهُ التَّفَرُّدُ فِی الْمَحَامِدِ کُلِّهَا　　وَلَهُ عَلَاءٌ فَوْقَ کُلِّ عَلَاءٖ

وہ تمام صفاتِ حمد میں منفرد ہے اور اس کو تمام بلندیوں سے برتری حاصل ہے

فَانْهَضْ لَهُ اِنْ کُنْتَ تَعْرِفُ قَدْرَهُ　　وَاسْبِقْ بِبَذْلِ النَّفْسِ وَالْاِعْدَاءٖ

اگر تو اُس کی قدر جانتا ہے تو اُس کی طرف دَوڑ کر چل اور جان دیکر اور خوب تیاری سے آگے بڑھ

مَلَکُوْتُهُ تَبْقٰی بِقُوَّةِ ذَاتِهٖ　　وَلَهُ التَّقَدُّسُ وَالْعُلٰی بِغِنَاءٖ

اُس کی بادشاہی اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اُس کا تقدس اور برتری صفتِ بے پرواہی سے ہے

وَاَرَی الْوِدَادَ اَنَارَ بَاطِنَ بَاطِنِیْ　　وَاَرَی التَّعَشُّقَ لَاحَ فِیْ سِیْمَائِیْ

مَیں دیکھتا ہوں کہ محبتِ الٰہی نے میرے باطن کو روشن کر دیا ہے اور اُسکے عشق کے آثار میرے چہرے پر ظاہر ہو رہے ہیں

مَا بَقِیَ فِیْ قَلْبِیْ سِوَاهُ تَصَوُّرٌ　　غَمَرَتْ اَیَادِی اللّٰہِ وَجْهَ رَجَائِیْ

میرے دل میں اُس کے سوا کوئی تصوّر باقی نہیں رہا خدا کی نعمتوں نے میری خواہشوں کے مُنہ کو ڈھانپ دیا ہے

یَا رَبِّ اٰمَنَّا بِاَنَّكَ وَاحِدٌ　　رَبُّ السَّمَاءِ وَخَالِقُ الْغَبْرَاءٖ

اے رب ہم ایمان لائے ہیں کہ تُو واحد ہے۔ آسمانوں کا رب اور زمین کا خالق ہے۔

(منن الرحمٰن)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ہر طرف بشنو صدائے القدیر

(ہر طرف یہی آواز آتی ہے کہ ایک قادر خدا ہے)

ہر طرف بشنو صدائے القدیر　　　ذوالجلال و ذوالعلیٰ نورے منیر

ہر طرف یہی آواز آتی ہے کہ ایک قادر خدا ہے، ایک صاحبِ جلال صاحبِ عزت روشنی بخش نور موجود ہے

ہیچ مخلوقے خدائے خود مگیر　　　کے شود یک کرمکے چوں آں قدیر

تو کسی مخلوق کو اپنا خدا نہ بنا۔ ایک کیڑا کیونکر اُس قدیر کی طرح ہو سکتا ہے۔

پیشِ او لرزد زمین و آسماں　　　پس تو مشتِ خاک را مثلش مداں

اُس کے آگے زمین و آسماں لرزتے ہیں۔ پس تو ایک مُشتِ خاک کو اُس کی طرح نہ سمجھ۔

دل نمے داند خدا جز آں خدا　　　ایں چنیں افتاد فطرت زابتدا

دل سوائے اُس اصلی خدا کے کسی اور کو خدا تسلیم نہیں کرتا۔ شروع سے انسانی فطرت اِسی طرح واقعہ ہوئی ہے

تو ہلاکی گر نجوئی آں خدا　　　آنکہ بنماید ترا ارض و سما

تو ہلاک ہو جائے گا اگر اُس خدا کو تلاش نہ کرے گا جسے زمین و آسمان تجھے دکھا رہے ہیں۔

ہم بقرآں بیں جمالِ آں قدیر　　　قول و فعلِ حق زلالِ یک غدیر

تو قرآن سے بھی اُس قادر خدا کا حُسن دیکھ۔ خدا کا قول اور خدا کا فعل ایک ہی تالاب کے مصفّٰی پانی ہیں

مُردم اندر حسرتِ ایں مُدّعا　　　چوں نمے خواہند خلق ایں چشمہ را

مَیں تو اِس بات سے مر گیا کہ خلقت اِس چشمہ کو کیوں طلب نہیں کرتی۔

(ضیاء الحق)

غلبۂ اسلام کی بشارت اور ہماری عظیم ذمہ داری

(سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یکم ستمبر ۱۹۶۷ء کو خطبۂ جمعہ میں یورپ کے نومسلم احمدیوں کے ایمان و اخلاص اور قربانی و ایثار کے نہایت ایمان افروز واقعات بیان فرمانے کے بعد غلبۂ اسلام کی بشارت پر روشنی ڈالی اور اس تعلق میں احباب کو ان کی ایک عظیم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی۔ حضور کے خطبہ کا وہ حصہ جو اس عظیم ذمہ داری کی تفصیل پر مشتمل ہے ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے :-

"اب وہ (یورپ کے نومسلم احمدی) ایسی قوم بن گئے ہیں کہ اپنے اخلاص اور تقویٰ اور اس فضل کی وجہ سے اور اُس رحمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ اُن پر نازل کر رہا ہے۔ اُس پیار کی وجہ سے جس کے وہ نمونے دیکھتے ہیں وہ یہاں کے مخلص بزرگوں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں۔ اب اُن کی حیثیت ایک شاگرد کی نہیں رہی، وہ شاگرد کی حیثیت سے آگے بڑھ گئے ہیں اور جس طرح یہاں کے مخلصین دنیا کے استاد ہیں اور استاد ثابت ہو رہے ہیں اسی طرح وہ بھی دنیا کے استاد ثابت ہو رہے ہیں۔ اور اگر ہم نے سستی سے کام لیا اور وہ قربانیاں نہ دیں جو ہمیں دینی چاہئیں ایسے احمدی کی حیثیت سے جن کا مرکز کے ساتھ تعلق ہے اور جو پاکستان میں رہنے والے ہیں۔ نیز اگر ہم نے اپنی نسلوں کی اعلیٰ تربیت نہ کی تو پھر اللہ تعالیٰ تحریکِ غلبۂ اسلام کا مرکز ایسی قوم میں منتقل کر دے گا جو اُس کی راہ میں سب سے زیادہ قربانی دینے والی ہوگی۔

بے شک ہمیں ایک عظیم بشارت دی گئی ہے مگر یہ بشارت ہم پر ایک عظیم ذمہ داری بھی عائد کرتی ہے، جس کی طرف ہر وقت متوجہ رہنا ازبس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تو کسی سے رشتہ داری نہیں ہے اس لئے اس عظیم ذمہ داری کے پیش نظر ہمیں ہر وقت ڈرتے ڈرتے زندگی کے دن گزارنے چاہئیں کہ ہماری غفلت اور کوتاہی کے نتیجہ میں کہیں اللہ تعالیٰ سلسلہ کے مرکز کو ہم سے چھین کر یا ہماری نسلوں سے چھین کر کسی اَور کے سپرد نہ کر دے بوجہ اس کے کہ وہ ہماری یا ہماری نسلوں کی نسبت زیادہ قربانیاں دینے والے

اور اللہ سے زیادہ محبت کرنے والے، اللہ کی راہ میں فدائیت اور ایثار کے بہتر نمونہ دکھانے والے بن جائیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی توفیق دے بہتر سے بہتر خدمتِ دینِ اسلام کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہم میں کوئی خامی اور نقص اور کمزوری پیدا نہ ہونے دے۔ ہمیں دعائیں بھی کرنی چاہئیں اور کوشش بھی کرنی چاہیئے کہ اُس کی توفیق سے ہم ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں کو احسن طور پر نبھاتے رہیں۔

اِس وقت انسانیت جس دَور میں سے گزر رہی ہے وہ انسانیت کے لئے بڑا ہی نازک دَور ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب مَیں موجودہ انسان کے حالات پر غور کرتا ہوں تو میرا چین چھن جاتا ہے اور مجھے بڑی بے چینی لاحق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اِس دَور میں اگر کسی انسان پر باقی سب انسانوں کو ہلاکت اور تباہی سے بچانے کی ذمہ واری پڑتی ہے تو وہ ہم ہیں۔ اگر ہم اپنی ذمّہ واریوں کو پوری طرح ادا نہ کریں تو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لینے والے ہوں گے اور دوسری طرف ہم ذمّہ دار بن جائیں گے ان قوموں کی ہلاکت کے۔ کیونکہ جو ان سے تعلق رکھنے والی ہماری ذمّہ واریاں تھیں وہ ہم نے پوری نہیں کیں۔ حقیقت یہ ہے (اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو مَیں اس حقیقت کو دُہراتا چلا جاؤں گا جب تک کہ مَیں اپنے مقصد کو حاصل نہ کر لوں یا اِس دُنیا سے گزر نہ جاؤں) کہ ہر احمدی کو دنیا کا رہبر اور قائد اور استاد بننے کی اپنے اندر اہلیت پیدا کرنی پڑے گی اور پیدا کرنی چاہیئے۔ کیونکہ آج بھی دنیا کو ان سے کہیں زیادہ تعداد میں استادوں اور مبلغین کی ضرورت ہے جو آج ہمارے پاس ہیں۔ لیکن وہ زمانہ آنے والا ہے کہ جب اس ضرورت کی، ہماری موجودہ اہلیت کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہ ہوگی۔ بلکہ دنیا لاکھوں آدمی مانگے گی، دنیا جماعت احمدیہ سے یہ کہے گی کہ ہم سیکھنے کے لئے تیار ہیں تم ہمیں آکر سکھاتے کیوں نہیں؟ کیا جواب ہوگا آپ کے پاس اگر آپ ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے؟

مَیں نے غور بھی کیا، مَیں نے دعائیں بھی کیں اس کے متعلق اور اللہ تعالیٰ نے بڑے زور سے میرے دل میں ڈالا ہے کہ اگلے بیس تیس سال دنیا پر، انسانیت پر اور جماعت پر بڑے نازک ہیں۔ ایک نہایت ہی خطرناک عالمگیر تباہی کی خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً دی ہے جس کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ اگر وہ تباہی دُنیا پر آگئی تو دنیا میں علاقے کے بعد علاقہ ایسا ہوگا کہ جہاں سے زندگی ختم ہو جائے گی۔ پہلی دو عالمگیر جنگوں میں نہ ایسا ہُوا نہ ایسا ہونا ممکن تھا۔ کچھ آدمی مارے گئے، کچھ پرندے بھی مارے گئے ہوں گے، کچھ چرندے بھی مارے گئے ہوں گے، کچھ کیڑے مکوڑے بھی مارے گئے ہوں گے لیکن کوئی ایک علاقہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا جہاں سے زندگی ختم ہو گئی ہو (سوائے دو استثناء کے جو جاپان پر دو ایٹم بم گرانے کے ہیں) لیکن تیسری عالمگیر تباہی کے متعلق یہ پیشگوئی واضح الفاظ میں حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں موجود ہے کہ ایسے علاقے ہوں گے کہ جن میں زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر یہ بھی پیشگوئی ہے کہ اس عظیم ہلاکت کے بعد (اگر اس ہلاکت سے قبل یہ اقوام اسلام کی طرف اور اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی طرف نہ آگئیں) اسلام بڑی کثرت سے دنیا میں پھیل جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ نظارہ دکھایا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ روس میں اس قدر احمدی ہیں جس قدر کہ ریت کے ذرے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ریت کے ذروں کی طرح میں نے وہاں احمدیوں کو دیکھا ہے۔ میں نے اپنے سفر میں یورپ والوں کو کہا کہ جہاں تک روس کا تعلق ہے پیشگوئی بڑی واضح ہے لیکن یورپ کی طاقت کے تباہ ہونے اور ان اقوام کے کثرت سے بچ جانے کے متعلق کوئی واضح الہام میرے علم میں نہیں ہے اور اس لئے مجھے تمہارے متعلق زیادہ فکر ہے اس لئے ہوشیار ہو جاؤ اور اپنے بچاؤ کی فکر کرو۔ تمہیں سوائے اللہ کے آج اور کوئی بچا نہیں سکتا۔ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو تا کہ تمہیں بچایا جائے۔

اگر آج وہ میری نصیحت کو مانیں اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کریں تو کل وہ ہم سے مطالبہ کریں گے کہ ہمیں دس ہزار (یا شاید اس سے بھی زیادہ) مبلغ اور استاد چاہئیں جو ہمیں دین اسلام سکھائیں تو میں انہیں کیا جواب دوں گا؟ کیا میں یہ کہوں گا کہ میں نے تمہیں اس ابدی صداقت کی طرف بلایا تو تھا لیکن تمہارے دلوں میں صداقت کو قائم کرنے کے لئے میرے پاس کوئی انسان نہیں ہے۔ اسی لئے میں پریشان رہتا ہوں اور اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ ہر احمدی مرد اور احمدی عورت دنیا کا رہبر بننے کی اہلیت پیدا کرے۔ جب انسان ہمیں یہ کہہ کر پکارے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنی طرف بلایا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو پکار کے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ہم اس جھنڈے تلے جمع تو ہو رہے ہیں لیکن اس جھنڈے کا سایہ جو اسلام سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ہمیں حاصل ہو سکتا تھا (جھنڈا رحمت کا سایہ) وہ ہم پر نہیں پڑا معلم اور استاد بھیجو تا وہ ہمیں دین اسلام سکھائیں اور تا وہ ان باتوں کو واضح کریں، وہ تعلیم، وہ ہدایتیں ہمیں دیں جو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اور اس کے جواب میں میں یا کوئی اور جو میرے بعد آنے والا ہے وہ یہ کہے کہ میرے پاس تو آدمی نہیں میں تمہاری مدد کیسے کروں؟ کیا خلیفۂ وقت کا یہ جواب جو آپ کی طرف سے دیا جائے ہمارے خدا کو پیارا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اپنے بچوں کے ذہنوں میں، ان کے دلوں میں یہ چیز گاڑ دو کہ ہر چیز کو قربان کر کے بھی دین اسلام سیکھنے، انوار قرآن حاصل کرنے کی طرف توجہ دو۔

نہ پہلوں نے دُنیا کمانے کے پہلو کا نہ میں روکتا ہوں۔ دُنیا کمائیں دین کی مضبوطی کے لئے، دنیا کے عیش کے لئے نہیں۔ اور دُنیا کماتے ہوئے بھی اتنا دین سیکھ لیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندے کی آواز آپ کے کان میں پہنچے کہ اعلائے کلمۂ اسلام کے لئے اور دینِ اسلام کو دُنیا میں قائم کرنے کے لئے اور ان اقوام کو جو اسلام کی طرف جُھک رہی ہیں اور رجوع کر رہی ہیں ان کو اسلام کی تعلیم سکھانے کے لئے آدمی چاہئیں تو آپ میں سے ہر ایک اس قابل ہو کہ انہیں اسلام سکھا سکے اور اس بات کا عزم اپنے دل میں رکھتا ہو کہ وہ دُنیا کے ہر کام کو چھوڑ دے گا اور اسلام کے سکھانے کے لئے جہاں ضرورت ہوگی چلا جائے گا، تو یہ تڑپ ہے جو میرے دل میں ہے 'یہ پریشانی ہے جو لاحق ہے' جو بعض دفعہ میری نیند کو بھی حرام کر دیتی ہے۔ مَیں ہمیشہ دُعائیں کرتا رہتا ہوں آپ کے لئے بھی اور اپنے لئے بھی اور ساری دُنیا کے لئے بھی۔ اور مَیں اپنے رب سے کہتا ہوں کہ اے میرے پیارے رب! تُو نے آج تک ہمیشہ پیار کی نگاہ مجھ پر رکھی ہے آئندہ بھی ہمیشہ پیار ہی کی نگاہ رکھنا اور مجھے یہ توفیق دینا کہ جماعت کی رہبری اور قیادت کے لئے جو ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے وہ مَیں اچھی طرح نبھا سکوں تاکہ یہ تیری پیاری جماعت اور میری پیاری جماعت تیرے سامنے شرمندہ نہ ہو۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین *

نوافل کی تعریف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"نوافل صرف نماز سے ہی مختص نہیں بلکہ ہر ایک حسنات میں زیادتی کرنا نوافل ادا کرنا ہے۔"

(ملفوظات جلد ۷ صہ ۳۹)

رضائے الٰہی حاصل کرنیوالوں کے اوصاف

اپنے دوستوں کے حق میں حضرت مسیح موعودؑ کی ایک دُعا

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دو گروہوں کا ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ
اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ
اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى
سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا
وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ
الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ
جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠
وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ

اور بعض آدمی (ایسے بھی ہوتے ہیں) جن کی باتیں (اس) دُنیا کے متعلق تجھے بہت پسندیدہ معلوم ہوتی ہیں اور وہ (بات کرتے وقت) اللہ کو اُس (اخلاص) پر جو اُن کے دل میں ہے گواہ ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ (حقیقت میں) سب جھگڑالوؤں سے زیادہ جھگڑالو ہوتے ہیں۔ اور جب حاکم ہو جاتے ہیں تو فساد (پیدا) کرنے اور کھیتی (باڑی) اور مخلوق کو ہلاک کرنے کی غرض سے (سارے) ملک میں دَوڑتے پھرتے ہیں حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب انہیں کہا جائے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو (اپنی) عزت (کی پچ) انہیں گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے۔ پس (اس قسم کے لوگوں) کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ یقیناً بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اور بعض آدمی ایسے (بھی) ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو بیچ (ہی) ڈالتے ہیں۔ اور اللہ (اپنے ایسے مخلص)

زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

(البقرہ آیات ۲۰۵ تا ۲۱۰)

بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم سب کے سب فرمانبرداری (کے دائرہ) میں آجاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ وہ یقیناً تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ اور اگر تم باوجود اس کے کہ تمہارے پاس کھلے کھلے نشانات آئے ہیں ڈگمگا گئے تو جان لو کہ اللہ یقیناً غالب (اور) حکمت والا ہے۔

پہلا گروہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ اِن آیات میں فرماتا ہے :-

۱۔ بڑھ بڑھ کے باتیں بناتا ہے اور اپنے ایمان اور اخلاص کا یقین دلانے کے لئے خدا تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتا ہے اور بظاہر وہ اِس یقین دہانی میں ایک حد تک کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔

۲۔ درحقیقت یہ گروہ کچھ نفس پرست انسانوں پر مشتمل ہوتا ہے جو اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر یہ طریق اختیار کرتے ہیں ورنہ جہاں اُن کے ذاتی مفاد سے تقابل کی صورت پیدا ہو جائے وہ الٰہی سلسلہ کے نظام کو نظر انداز کر کے اکڑنا اور اپنے ذاتی فائدہ کے لئے لڑنا جھگڑنا اور جماعت میں اختلاف پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

۳۔ جب کوئی اہم کام ان کے سپرد کیا جائے تو وہ اصلاح کی بجائے فساد کی صورت پیدا کر دیتے ہیں۔

۴۔ اور جب کہا جائے کہ خدا ترسی کا ثبوت دیتے ہوئے تقویٰ سے کام لو تو وہ خدا تعالےٰ کے سامنے جھکنے کی بجائے اکڑتے ہیں اور اپنی جھوٹی عزت کی پیچ انہیں گناہ پر قائم رکھتی ہے، وہ اخلاص کے دعووں کے باوجود نظامِ سلسلہ کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں نارِ جہنم سے ڈراتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے باوجود شیطان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اِن آیات میں مومنوں کو تاکیداً ارشاد فرماتا ہے کہ :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم سب کے سب فرمانبرداری (کے دائرہ) میں آجاؤ اور شیطان

کے قدم بقدم نہ چلو وہ یقیناً تمہارا کھُلا کھُلا دشمن ہے۔"

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تاکید فرمائی ہے کہ اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شعار بنائیں اور متذکرۃ الصدر گروہ کی طرح شیطان کے متبعین میں سے نہ ہو جائیں۔ عیاذاً باللہ

اِس کے بالمقابل دوسرے گروہ کے افراد اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اپنی جانیں بیچ ڈالتے اور نیستی کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں وہ اپنے نفسوں پر کامل فنا وارد کرتے ہوئے خدمتِ دین، قربانی، اطاعت اور فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں اِس لئے اللہ تعالیٰ شفقت فرماتے ہوئے ان پر رجوع برحمت ہو جاتا اور ان پر خاص فضل نازل فرماتا ہے۔

جماعت احمدیہ (اِلّا ماشاء اللہ) خدا کے فضل سے ایک مخلص جماعت ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں مال، عزت، وقت اور جان کی قربانی پیش کرنے والی ایثار پیشہ جماعت ہے جو خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے نفسوں پر موت وارد کر لیتی اور نیستی اختیار کر لیتی ہے۔ فدائیوں کی یہ جماعت اپنے دلوں میں خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کی شدید تڑپ رکھتی ہے، ایسی تڑپ جو اسے ہر دم بے چین اور بیقرار رکھتی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر خدمتِ دین اور اخلاص کی نمونۃً ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ اپنے ایک فدائی اور جاں نثار خادمِ دین مخلص دوست حضرت منشی محمد اروڑا صاحبؓ کا ذکر فرماتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"حبّی فی اللہ منشی محمد اروڑا نقشہ نویس مجسٹریٹی منشی صاحب محبّت اور خلوص اور ارادت میں زندہ دل آدمی ہیں۔ سچائی کے عاشق اور سچائی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں۔ خدمات کو نہایت نشاط سے بجا لاتے ہیں بلکہ وہ تو دن رات اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی خدمت مجھ سے صادر ہو جائے۔ عجیب منشرح الصدر اور جاں نثار آدمی ہے۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ ان کو اِس عاجز سے ایک نسبتِ عشق ہے۔ شاید ان کو اس سے بڑھ کر اَور کسی بات میں خوشی نہیں ہوتی ہوگی کہ اپنی طاقتوں اور اپنے مال اور اپنے وجود کی ہر یک توفیق سے کوئی خدمت بجا لاویں۔ وہ دل وجان سے وفادار اور مستقیم الاحوال اور بہادر آدمی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔"

(ازالہ اوہام بحوالہ روحانی خزائن جلد ۳ صـ ۵۳۲)

اور ایسی ہر ایک چیز خدمتِ سلسلہ میں صرف کر دینے اور ہمیشہ خدمتِ دین پر کمر بستہ رہنے والے چند ایک اَور دوستوں کا ذکر فرمانے کے بعد حضور علیہ السلام ان فدائیوں کے لئے مندرجہ ذیل الفاظ میں

دعا کرتے ہیں :-

"اب میں اس تذکرہ کو دُعا پر ختم کرتا ہوں۔ اے قادر خدا میرے اِس ظن کو جو میں اپنے ان تمام دوستوں کی نسبت رکھتا ہوں سچا کر کے مجھے دکھا اور ان کے دلوں میں تقویٰ کی سبز شاخیں جو اعمالِ صالحہ کے میووں سے لدی ہوئی ہوں پیدا کر۔ انکی کمزوری کو دُور فرما اور ان کا سب کسل دُور کر دے اور ان کے دلوں میں اپنی عظمت قائم کر اور ان میں اور ان کے نفسوں میں دُوری ڈال اور ایسا کر کہ وہ تجھ میں ہو کر بولیں اور تجھ میں ہو کر سنیں اور تجھ میں ہو کر دیکھیں اور تجھ میں ہو کر ہر ایک حرکت اور سکون کریں۔ ان سب کو ایک ایسا دل بخش جو تیری محبت کی طرف جھک جائے اور ان کو ایک ایسی معرفت عطا کر جو تیری طرف کھینچ لیوے۔ اے بارِ خدا یہ جماعت تیری جماعت ہے اس کو برکت بخش اور سچائی کی روح ان میں ڈال کہ سب قدرت تیری ہی ہے۔ آمین"

(ازالہ اوہام بحوالہ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۴۵)

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے قیامت تک اس سلسلہ سے وابستہ ہونے والے اپنے ناچیز بندوں کو اور ان کی نسلوں کو ان فدائیوں کے نقشِ قدم پر چلنے، دین کی راہ میں سب کچھ فدا اور قربان کرنے اور خدمتِ دین پر ہر آن کمربستہ رہنے کی توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ اپنے فضلوں سے نوازے، برکت بخشے اور سچائی کی روح ان میں ڈالے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان دُعاؤں کا انہیں وارث قرار دے جو حضور علیہ السلام نے دین کی راہ میں جاں نثاروں اور مخلصوں کے لئے کی ہیں۔ اللّٰھم آمین +

خدا تعالیٰ کی تجلّیات کی چمکار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"جو لوگ صدق دل سے اور اخلاص کے ساتھ صحت نیت اور پاک ارادہ اور سچی تلاش کے ساتھ ایک مدت تک ہماری صحبت میں رہیں تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی تجلیات کی چمکار سے انکی اندرونی تاریکیوں کو دُور کر دیگا۔" (ملفوظات جلد سوم)

خصوصیّات و برکاتِ خلافت

(۴)

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے)

خلافت کی چوتھی خصوصیّت اور برکت کا ذکر آیتِ استخلاف کے الفاظ

فِی الْاَرْضِ

میں کیا گیا ہے۔ خلافتِ راشدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید یافتہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس کا نزول اُسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائیدات میں سے ایک امر یہ ہوتا ہے کہ اس خلافت کی قبولیت زمین میں جلد یا بدیر پھیلا دی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو کہتا ہے کہ اے جبرائیل! مَیں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تو بھی اُس سے محبت کر۔ اِس پر جبرائیلؑ بھی اُس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام اہلِ سماء میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ اِسی طرح یہ سلسلہ چلتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ

یُوْضَعُ لَہُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ

یعنی بالآخر اُس کی قبولیت زمین میں قائم کر دی جاتی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ کسی خلیفہ راشد کو اپنے زمانے میں ابتلاء اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن بالآخر تمام سچے مومنوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی قبولیت و محبت قائم کی جاتی ہے۔ وہ اُس پر تو درود بھیجتے ہیں اور اُس کے زمانے میں فساد پیدا کرنے والے مفسدین کو موردِ لعنت ٹھہراتے ہیں۔ مثال کے طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مفسدین نے شہید کر دیا لیکن مفسدین حضرت عثمانؓ کی قبولیت اور محبت کو جو مومنوں کے دلوں کی زمین میں مضبوطی سے راسخ ہو چکی تھی شہید نہ کر سکے یعنی اُس کو مومنوں کے دلوں سے نہ مٹا سکے۔ چنانچہ تیرہ سَو سال سے

مسلمانوں کا سوادِ اعظم حضرت عثمانؓ سے محبت اور اُن کے زمانے کے مفسدین سے نفرت کرتا چلا آیا ہے اور عالمِ اسلام کے سوادِ اعظم کے دلوں میں حضرت عثمانؓ کے لئے محبت اور اکرام و اجلال کے یہ جذبات آپ کی صداقت اور خلیفۂ برحق ہونے پر شاہدِ ناطق ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس اصول کو قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑے ہونے کا مدعی ہو اور اُس کے بعد تم دیکھو کہ جلد یا بدیر اُس کی محبت لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے قلوب میں پیوست ہو چکی ہے تو ایسا شخص ضرور صادق ہوتا ہے کیونکہ کاذب کو یہ قبولیت عطا نہیں کی جاتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال کو لے لیجئے۔ اُن کی زندگی میں دشمنوں نے یعنی یہود نامسعود نے اُنہیں تختۂ دار پر لٹکا دیا اور اپنی طرف سے اُن کو نعوذ باللہ من ذٰلک لعنتی قرار دینے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی لیکن آخر نتیجہ کیا نکلا؟ کروڑہا بلکہ اربہا انسانوں کے قلوب اِس وقت مسیح ناصری علیہ السلام کی محبت سے پُر ہیں اور وہ انہیں اِلتباذ قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ اِن محبت کرنے والوں میں سے ایک گروہ افراط کی راہ اختیار کر گیا ہے اور انہوں نے یعنی فرقۂ ضالّہ نصاریٰ نے اُنہیں خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے دیا ہے لیکن اِس بات سے بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسیح ناصری علیہ السلام کی قبولیت اور محبت دنیا کی اکثریت کے قلوب میں راسخ ہو چکی ہے۔

قرآن کریم میں طالوت بادشاہ کے منجانب اللہ تقرر کی ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے :-

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

یعنی طالوت کے سچے بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہوگی کہ تمہیں وہ صندوق مل جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت اور اطمینان کا سامان ہوگا۔ اِس آیتِ کریمہ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تمہیں وہ سینے دل مل جائیں گے جن کے اندر طالوت کے منجانب اللہ ہونے کے سلسلہ میں سکینت اور اطمینان پیدا ہو جائے گا۔

اپنے اس زمانے میں سیدنا حضرت فضل عمر المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مثال کو لے لیجئے۔ جس وقت اہلِ پیغام قادیان کو چھوڑ کر آئے تو اُن کا دعویٰ یہ تھا کہ جماعت کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے خزانہ میں اغلباً وہ صرف چند آنے ہی چھوڑ آئے تھے۔ اُن میں سے بعض اکابر نے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی عمارت کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے یہ پیشگوئی بھی کی تھی کہ کچھ سالوں کے اندر اندر اِس عمارت پر عیسائیوں کا قبضہ ہوگا۔ اُن کی زبانوں پر یہ فقرہ عام تھا کہ قوم کی قیادت ایک

ناتجربہ کار بچے کے ہاتھ میں آگئی ہے جس کا نتیجہ سوائے تباہی و خسران و تباب کے اور کچھ نہ نکلے گا۔ (مفہوماً)۔ مگر اس کے بعد ہم کیا دیکھتے ہیں کہ سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبولیت مومنوں کے دلوں میں پھیلتی چلی گئی اور جماعت احمدیہ کا سوادِ اعظم آپ کی بیعت میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق عطا فرمائی کہ مصلح موعود کی پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق آپ دنیا کے کناروں تک شہرت پائیں اور قومیں آپ سے برکت پائیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ خلیفہ راشد کی ایک بڑی علامت یہ بھی ہے کہ اس کی قبولیت جلد یا بدیر زمین میں پھیلا دی جاتی ہے۔ یعنی مومنوں کے قلوب کی زمین میں راسخ کر دی جاتی ہے۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مشہور کشف میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ہم ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان چاہتے ہیں۔ کشتی نوح میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نئے آسمان سے وہ نئے آسمانی خوارق و نشانات مراد لئے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دلوں کی خشک زمین پر بارش کی طرح نازل فرمایا اور انشاء اللہ نازل کرتا چلا جائے گا۔ اور نئی زمین سے مراد وہ دل لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے امر سے تیار کئے جاتے ہیں۔ یعنی وحیٔ الٰہی اور نشاناتِ سماویہ کی بارش سے ایک نئی زندگی پاتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے شجرہ طیبہ کی ایک علامت یہ بیان کی ہے کہ:-

أَصْلُهَا ثَابِتٌ

یعنی اس کی جڑ دلوں کی زمین میں راسخ ہوتی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ فطرتِ صحیحہ اس کو قبول کرتی ہے۔ لاریب خلافتِ راشدہ بھی ایک شجرہ طیبہ ہے۔ اور اسی مضمون کو آیتِ استخلاف کے الفاظ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کو زمین میں (مضبوطی سے راسخ ہونیوالی) خلافت عطاء فرمائے گا۔ وہ خلافت اور اس کی قبولیت مومنوں کے قلوب کی زمین میں مضبوطی سے راسخ ہوگی اور اس کے بعد بالآخر تمام روئے زمین میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی قبولیت کو پھیلا دے گا۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا گزشتہ سفرِ یورپ مندرجہ بالا قرآنی الفاظ اور ان کی بیان کردہ حقیقت کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ جہاں جہاں حضور پُرنور تشریف لے گئے خدا تعالیٰ کے ملائکہ نے وہاں کے رہنے والوں کے دلوں پر نزول کیا،

اور حضور انور کو مرجعِ خلائق بنا دیا۔ دُنیا کے بہت سے مُلکوں میں ٹیلیویژن کے ذریعہ مسجد کوپن ہاگن کے افتتاح کا منظر دکھایا گیا۔ کروڑہا انسانوں نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے رُخِ انور کی زیارت کی۔ سعودی عرب میں بھی ٹیلیویژن کے ذریعہ یہ تمام مناظر دکھائے گئے۔ ہر پریس کانفرنس میں اللہ تعالےٰ کے ملائکہ آپ کی زبان پر نازل ہوئے اور آپ کی زبان سے سوالات کے ایسے جوابات دلوائے گئے کہ سائل حیران و ششدر رہ گئے۔ دیکھنے والوں نے اِس امر کو اچھی طرح سے محسوس کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش کی طرح حضور پر قبولیت نازل ہوئی اور کروڑہا دلوں کی زمین کو آپ نے اپنے زندگی بخش کلمات سے سرسبزی و شادابی اور تازگی بخشی۔ جہاں تک جماعت احمدیہ کے افراد کے قلوب کی زمین کا تعلق ہے اُس پر آسمانی انوار کی بارش اِس خلافتِ مبارکہ کے ذریعہ پہلے کی طرح ہی نازل ہو رہی ہے اور ہم سب قرآن کریم کی اِسی آیتِ کریمہ کی عملی تفسیر اپنے دلوں میں محسوس کر رہے ہیں کہ :۔

اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

یعنی ہمارے لئے حضور انور ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے سچّے روحانی مُلک ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی خلافت کے ذریعہ سے ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے سکینت و اطمینان کی شآبیب رحمت کو نازل فرما دیا ہے اور ہم ایسے ہی محسوس کر رہے ہیں جیسے کہ ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں بیٹھا ہوا ہو۔ ہم حضور انور کی خلافت کے ٹھنڈے سائے تلے سکون، چین اور اطمینان کے سانس لے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضرت فضل عمر المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہدِ سعادت عہد ہی جاری و ساری ہے کیونکہ قلوب میں اُسی طرح کی سکینت محسوس ہو رہی ہے جیسا کہ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک زمانے میں محسوس ہوا کرتی تھی۔ کیوں نہ ہو آخر ہمارے امام ہمام سیّدنا حضرت ناصر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اُسی مقدس انسان کے جگر گوشہ ہیں، پھر حضرت جَرِيُّ اللّٰهِ فِيْ حُلَلِ الْاَنْبِيَاءِ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے موعود نافلہ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے بھی موعود ہیں (رِجَالٌ مِّنْ فَارِسَ) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤیّد اور خلیفہ برحق ہیں۔

مندرجہ بالا بیان کے برعکس جو لوگ درحقیقت خلفاء راشدین نہیں ہوتے وہ بعض دفعہ اپنے زمانے میں تو جبر و استبداد کے بل بوتے پر اپنے آپ کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہلوا لیتے ہیں لیکن اس کے بعد رہتی دنیا تک خدا اور اُس کے بندوں کی لعنت کا شکار ہو جاتے ہیں جیسے یزید پلید جس نے

ایک امام معصوم و مطہر رضؓ کو ظالمانہ طور پر شہید کیا۔ خدا کے بندے اس وقت یزید پلید کو زمین کے ایک گندے کیڑے سے بڑھ کر کوئی وقعت دینے کے لئے تیار نہیں۔ اور یزید ہرگز خلفاء راشدین میں شامل نہیں جیسا کہ وہ اپنے زعم میں ایسا سمجھتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بادشاہانِ بنو امیہ اور بنو عباس کو ملوک عُضُوض یعنی کاٹنے والے، ظلم کرنے والے بادشاہ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سب لوگ اپنے آپ کو اپنے اپنے زمانے میں خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہلواتے رہے۔

پس خلفائے راشدین کی ایک نمایاں علامت یہ ہے کہ اُن کی خلافت جبر و استبداد پر قائم نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کی قبولیت اور محبت کو دلوں میں جاگزیں کر دیتا ہے اور پھر اکنافِ عالم تک اُن کی قبولیت پھیل جاتی ہے۔ اُن کے وجودِ باجود کے نُور سے زمین جگمگا اُٹھتی ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں دلوں پر اُنہیں روحانی و آسمانی بادشاہت عطا کی جاتی ہے۔ اُن کے ہاتھوں سے آسمانی معارف اور قرآنی جواہرات کے خزانے دنیا میں لٹائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں میں خلافتِ حقہ کی محبت کو جاگزین کرے یہاں تک کہ ہم اُس کی حفاظت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے بھی تیار ہو جائیں۔ خدا کرے کہ خلافتِ حقّہ کا ٹھنڈا سایہ سارے رُوئے زمین پر ممتد ہو جائے اور انسانیت اُس کی ٹھنڈک سے قیامت تک مستفید ہو۔ آمین ثم آمین و برحمتک یا ارحم الراحمین ٭

ہر وقت دُعا کرتے رہو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہر وقت دُعا کرتے رہنا چاہیئے تا دنیا کے آفات سے بچے رہو۔ ایمان سلامت رہے اور رضوانِ الٰہی حاصل ہو"

(البلاغ المبین صـ۱۶)

منکرین ہستی باریتعالیٰ کے اعتراضات

اور

ان کے جواب

(محترم جناب پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے (کینٹب)

مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ عقیدۂ وجود باری پر یا اس کی تائید میں جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان پر منکرین کی طرف سے کیا کیا اعتراض اور اشکال پیش کئے جاتے ہیں اور ان اعتراضوں کے جواب کیا ہیں۔ یہ مضمون اپنے اندر اچھا خاصا پھیلاؤ رکھتا ہے۔ اسے سمیٹنے کی غرض سے میں شروع میں اختصاراً کچھ باتیں جو مفید اور ضروری ہیں تمہیداً عرض کرنا چاہتا ہوں۔

عقیدۂ وجودِ باری کس طرح پیدا ہُوا؟

مثلاً یہی کہ عقیدۂ وجودِ باری پیدا کس طرح ہوا؟ اس بارہ میں خیال آرائیاں اور قیاسات تو بہت ہیں لیکن تاریخ سے جو کچھ پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ عقیدۂ وجود باری انسان کو الہام کے ذریعہ سکھایا گیا۔ دنیا کے مختلف علاقوں اور تاریخ کے مختلف زمانوں میں خدا سے الہام پانے والے مختلف قوموں میں آتے رہے اور وہ عقیدۂ وجودِ باری کو طبائع میں راسخ کرتے رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو معلوم نہیں دُنیا کا کیا حال ہوتا۔ یہ تو ٹھیک ہے ایسی صورت میں ایک پیدا کرنے والی ہستی کی جستجو یا ابتدائے کائنات اور ابتدائے بنی نوعِ انسان معلوم کرنے کی خواہش کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہوتی اور تلاش کرنے والے اس عقیدہ تک کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی جاتے، کیونکہ عقیدۂ وجودِ باری انسانی فطرت اور انسانی دل و دماغ کے لئے ایک کشش رکھتا ہے۔ اعتراض کرنے والے اعتراض کرتے رہتے اور ماننے والے مانتے رہتے لیکن ماننے والوں میں وہ یقین اور وثوق ہرگز پیدا نہ ہوتا جو ملہمین کے نمونے

اور اُن کی تعلیموں سے طبائع میں پیدا ہوا اور جو آج تک موجود ہے۔ اِس لئے یہ تو نہیں ہوا کہ دُنیا کے مفکرین اور دانشور کسی جگہ جمع ہوئے ہوں اور انہوں نے غور کیا ہو کہ دنیا کی پیدائش کیسے ہوئی اور پھر اِس غور کے نتیجہ میں اُنہوں نے عقیدۂ وجودِ باری کو اختیار کر لیا ہو۔ گویا خدا تعالیٰ نے اپنے وجود کے متعلق انسانوں کو تلاش اور تحقیق سے بچا لیا بلکہ شروع سے ہی الہام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے اپنا آپ دنیا پر ظاہر کر دیا اور بعد میں ملہمین کے ذریعہ ہی عقیدۂ وجودِ باری کی تجدید بھی ہوتی رہی۔ اور یہ واقعہ ایک عظیم تاریخی واقعہ بھی ہے اور وجودِ باری پر ایک زبردست دلیل بھی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شروع سے اِس عقیدہ کے بارہ میں تذبذب اور تردّد رکھنے والے بھی موجود رہے ہیں۔ بعض طبائع تو قومی عقائد اور قومی توہمات کی زیادہ قدر کرتے ہوئے اس عقیدہ سے اعراض کرتی رہی ہوں گی۔ بعض دوسری طبائع اپنے وقت کے طبعی علوم سے متاثر ہو کر دُنیا کے تمام واقعات اور شواہد کو قانونِ طبعی کے ماتحت لانے کی کوشش میں عقیدۂ وجودِ باری کی ناقدری بھی کرتی ہوں گی کیونکہ انسان کو فکرِ صحیح کے ساتھ ساتھ اِن دو باتوں سے شروع ہی سے سابقہ رہا ہے یعنی اوّل قومی یا قبی تعصبات اور توہمات۔ اور دوسرے قانون طبعی کو دُنیا کا واحد قانون سمجھ لینا اور قانونِ اخلاقی یا قانونِ روحانی یا قانونِ شرعی کو بالکل نظر انداز کر دینا۔

موجودہ زمانہ میں ہستی باریتعالیٰ کے انکار کی وجوہ

ہمارے قریب کے زمانہ میں جو انکارِ ہستی باریتعالیٰ نے بہت زور پکڑا تو اس کی دو وجوہ کافی واضح معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو ہمارے زمانہ میں سائنسی اور تکنیکی ترقیات ہوئیں اور وہ غالب طور پر یورپ کے حصہ میں آئیں۔ اور یورپ کا مذہب عیسائیت تھا اور ہے اور عیسائی تعلیم کے مطابق خدا تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کے بعد کسی انسان پر اپنے کلام کا پرتو نہیں ڈالا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے وجود کے متعلق ملہمین کی شہادت ایک قصۂ ماضی بن گئی اور خدا کو ماننا یا نہ ماننا محض عقلی اندازوں اور زبانی قیل و قال کے رحم و کرم پر آ رہا۔

دوسری وجہ ہمارے زمانہ میں انکارِ وجودِ باری کی وہی انقلابی ترقی ہے جو یورپ نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں یعنی سائنس کے ذریعہ ہر قسم کی مادی ترقی کے میدان میں کی۔ اِس ترقی کے نتیجہ میں ایک قسم کا غرور اور طبعی علوم اور افکار پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کا پیدا ہونا لازمی امر تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شروع میں قریباً ساری سائنسی ترقی مادی علوم یعنی فزکس کیمسٹری تک محدود رہی۔ اِس حد

تک تو خیریت ہی گزری کیونکہ شروع شروع میں جن لوگوں نے سائنس میں نام پیدا کیا وہ خدا کے انکار میں ایسے بیباک نہ تھے بلکہ ان میں سے اکثر خدا کو ماننے والے اور مذہب کا ادب کرنیوالے تھے۔ چنانچہ نیوٹن جو اس سائنسی دَور کا گویا پیشوا ہے اُس کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہ ایک خداپرست انسان تھا۔ اِسی طرح اُس دَور میں بعض اَور بھی خدا پرست سائنسدان تھے گو خال خال خدا کے منکر بھی تھے۔ لیکن جب سائنس نے ذی حیات چیزوں کے متعلق تحقیق شروع کی تب خدا کا انکار شروع ہوا۔ ذی حیات چیزوں کا وجود خدا تعالیٰ کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ مادہ کے متعلق سمجھ لیا جاتا ہے کہ چلو وہ تو کسی طرح پیدا ہو گیا۔ لیکن اگر ذی حیات چیزوں کی پیدائش اور اُن کے تغیرات بھی قانونِ طبعی کے ماتحت بیان ہونے لگ جائیں تو پھر گویا عقیدۂ وجودِ باری کی ضرورت نہیں رہتی۔ مختصر یہ کہ ہمارے زمانہ میں انکارِ وجودِ باری ڈارون سے شروع ہوا اور اُس کے شاگردوں یعنی ہربرٹ سپنسر اور تھامس ہکسلی (جولین ہکسلی اور آلڈوس ہکسلی کے دادا) نے باقاعدہ اس کی اشاعت شروع کی۔ علمِ حیات کے بعد علمِ نفسیات اور علمِ عمرانیات کا زور ہوا۔ اِن علوم نے تمام انسانی کوائف حتّٰی کہ مذہبی عقائد اور مذہبی اداروں اور تعلیموں کو بھی طبعی قانون کے ماتحت بیان کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ عیسائیت جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کلامِ الٰہی کی قائل نہ تھی اس لئے عقیدۂ وجودِ باری ویسے ہی کمزور ہو رہا تھا۔ اس پر سائنس کی ترقی اور علی الخصوص حیاتیاتی، نفسیاتی اور عمرانی علوم کی ترقی نے عام لوگوں کو بُری طرح متاثر کیا۔ عقیدۂ وجودِ باری پھر بھی قائم رہا اگرچہ ایک کمزور حالت میں۔

وجودِ باری کے اقرار کا ایک نیا میلان

یہ حالت انیسویں صدی کے آخر تک رہی لیکن انیسویں صدی کے مُڑنے کے ساتھ ہی ایک نیا تغیر شروع ہوا۔ باوجود الہام سے بے تعلق اور بے بہرہ ہونے کے اور باوجود طبیعی علوم کی ترویج و ترقی کے یورپ اور مغرب کے کئی اہلِ فکر کو خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق توجہ پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے اپنے رنگ میں عقیدۂ وجودِ باری کے حق میں دلائل دینے شروع کر دیئے۔ چنانچہ مشہور مفکر و فلسفی اور ماہر نفسیات ولیم جیمس کی کتاب "وارداتِ رُوحانی" اُس زمانہ کی پیداوار ہے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے بعض اَور مفکر بھی پیدا ہوتے گئے جنہوں نے عقیدۂ وجودِ باری پر ادب اور سنجیدگی سے قلم اُٹھایا۔

اب یہی وہ زمانہ ہے یعنی انیسویں صدی کا آخر جس میں حضرت مرزا غلام احمد بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریریں شائع ہونی شروع ہوئیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ مغرب میں جو تغیّر عقیدۂ وجودِ باری کے متعلق بیسویں صدی کے شروع میں ہمیں نظر آتا ہے وہ براہِ راست حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں کا نتیجہ ہے۔ لیکن کوئی مخفی تعلق اس تغیّر کا حضور علیہ السلام کی تحریروں سے ضرور معلوم ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ دنیا کے ایک حصے یا ایک طبقہ میں حضور علیہ السلام کی تحریروں سے ایک تغیّر پیدا ہونا شروع ہوا اور اس تغیّر کا عکس دُور دُور تک نظر آنا شروع ہو گیا۔ بہرحال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت مرزا صاحبؑ کی تحریروں اور یورپ کے ان مفکّرین کی تحریروں کے بعد جو عقیدۂ وجودِ باری کے حق میں شائع ہونی شروع ہوئیں یہ مسئلہ پھر ایک جاندار (active) مسئلہ بن گیا۔ چنانچہ برٹرنڈرسل صاحب جن کی عمر اس وقت نوّے سال سے اُوپر ہے اور جنہوں نے فلسفہ کی بنیاد ایسے امور پر رکھی جن کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کا ذکر تک کسی سنجیدہ سلسلۂ فکر میں نہ آسکتا تھا وہ بھی وقتاً فوقتاً مجبور ہوئے کہ اس موضوع پر کچھ کہیں یا لکھیں۔

عقیدۂ وجودِ باری پر برٹرنڈرسل کے اعتراضات

برٹرنڈرسل غالباً اس وقت مغرب میں واحد مثال ہیں (روس وغیرہ کو چھوڑ کر) اُن لوگوں کی جو وجودِ باری کا انکار حتمی طور پر کرتے ہیں۔ لیکن جو دلیل وہ بیان کرتے ہیں وہ کوئی انوکھی دلیل نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پُوری سنجیدگی سے اور تدبّر سے اس مسئلہ پر غور نہیں کیا۔ انہوں نے لکھا ہے اور ایک سے زیادہ جگہ لکھا ہے کہ ابتدائے شباب تک (یاد رہے نفسیات والے کہتے ہیں کہ ابتدائے شباب میں ہی کردار اور عقائد کے خطوط روشن ہونے لگتے ہیں) وہ خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتے رہے لیکن ابتدائے شباب میں ہی وجودِ باری پر اُن کا عقیدہ متزلزل ہو گیا۔ پہلے انسانی اختیار کے متعلق انہیں تذبذب پیدا ہوا اور ایسا سائنس کے اثر کے ماتحت ہوا۔ پھر حیاتِ آخرت کے متعلق اور پھر خدا تعالیٰ کے متعلق وہ تذبذب میں پڑتے چلے گئے۔

وجودِ باری کے خلاف دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ اگر دنیا و ما فیہا کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا؟ یہی اعتراض عام لوگ بھی یا عام پڑھے لکھے لوگ بھی کرتے ہیں۔ یہی اعتراض دیوسماج والے بھی کیا کرتے تھے۔ اب اگر دیکھا جائے تو یہ اعتراض ہے بالکل انصاف کے خلاف کیونکہ یہ مشکل دراصل اسے ہو سکتی ہے جس کے سامنے صرف مادی تغیرات ہوں اور جس کے دماغ میں

مادی تغیرات کے سوا اور کوئی بات نہ آسکتی ہو۔ اور یہ علم نہیں تعصب ہے۔ انجینئرنگ والے، کیمسٹری والے، زرعی سائنس والے، انسانی جسم کی تشخیص اور جسمانی امراض کا علاج کرنے والے جو سب کے سب مادی تغیرات کا مطالعہ اور ان کی تحقیق کرتے رہتے ہیں ان کے نزدیک سب تغیرات اور سب ابتدائیں مادی ہوتی ہیں۔ ان کے موجبات بھی مادی ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ پوچھ سکتے ہیں کہ اگر دنیا کی پیدائش خدا تعالیٰ کی قدرت سے ہوئی ہے تو پھر خدا تعالیٰ کی پیدائش کس طرح ہوئی؟ لیکن خدا تعالیٰ تو مادی وجود نہیں کہ اس کے لئے ایک اور مادی وجود ہمیں تلاش کرنا پڑے۔ خدا تعالیٰ تو ایک لطیف وجود ہے جس پر مادی قانون حاوی نہیں۔ سو خدا تعالےٰ کے متعلق یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ سوال صرف مادی تغیرات کے متعلق ہو سکتا ہے۔

لیکن اصل جواب برٹرنڈرسل کا یہ ہے کہ آخر اس قیل و قال سے اُن کا مدعا اور ہمارا مدعا یہی ہو سکتا ہے کہ پیدائشِ دنیا اور وجودِ دنیا کے مسئلہ کو انسانی دماغ اور انسانی فہم کے زیادہ قریب کر دیا جائے تو کیا خدا کو نہ مان کر یہ مسئلہ کہ دنیا کیسے پیدا ہوئی انسانی دماغ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ خدا کا انکار کرنے کے بعد بھی وہ مسائل بالکل بغیر جواب کے رہ جاتے ہیں۔ درآنحالیکہ خدا کو مان کر اتنی ذہنی اور فکری تسلّی تو حاصل ہو جاتی ہے کہ دنیا کو ایک پیدا کرنے والے نے پیدا کر دیا اور بس۔ خدا کا انکار کر کے وہ پیدائشِ دنیا کے متعلق کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ دنیا آپ ہی آپ ہے۔ لیکن یہ کافی نہ ہوگا۔ جو دنیا آپ ہی آپ ہے اُس کے متعلق یہ بھی ماننا ہوگا کہ وہ ہے بھی ہمیشہ سے۔ گویا یہ ماننا ہوگا کہ یہ دنیا نہ صرف آپ ہی آپ ہے بلکہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی ـــــ سوائے اس کے کہ اس کے اندر مادی تغیرات آتے رہیں۔ لیکن اتنا مان کر انہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایسی دنیا جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس میں یہ قدرت اور طاقت اور خواہش بھی تھی کہ وہ اپنے آپ کو پیدا کرے۔ گویا دنیا خود ایک بالارادہ وجود ہے۔ پھر وہ محدود بھی نہیں کیونکہ محدود ہوگی تو ناقص اور محتاج ہوگی۔ گویا خدا کا انکار کر کے دنیا کے مسئلہ کو حل کرنے نکلو گے تو تمہیں ماننا پڑیگا کہ یہ دنیا ازلی ہے، ابدی ہے، غیر محدود ہے، ذی مقدرت ہے اور بالارادہ ہے۔ جب یہاں تک پہنچتے ہیں تو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم خدا کو مان لیتے ہیں لیکن ان معنوں میں کہ خدا اور دنیا کوئی دو وجود نہیں بلکہ ایک ہی وجود ہیں۔ خدا دنیا ہے اور دنیا خدا۔

دنیا خود خدا نہیں ہو سکتی

یہ وہی شاعروں اور فلسفیوں اور فقراء والا خیال ہے لیکن یہ بات بھی نہیں چل سکتی۔ کیونکہ ہم دیکھتے

ہیں کہ دنیا ایک طبعی قانون کے ماتحت چل رہی ہے۔ اسی طبعی قانون کے نتیجہ میں سائنس پیدا ہوتی ہے اور اسی سے دنیا کی تسخیر ہوتی ہے لیکن دنیا میں ایک ہی قسم کی چیزیں نظر نہیں آتیں۔ کچھ مادی چیزیں ہیں، کچھ ذی حیات ہیں، کچھ ذی نفس ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جب ہم انسان پر پہنچتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ انسان ایک خاص الخاص وجود ہے جس میں اختیار ہے، سوچ ہے، قوتِ فیصلہ ہے، اس میں نیکی بدی کی تمیز ہے، ذمہ داری کا احساس ہے، اور ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ باقی دنیا انسان کی تسخیر کے لئے ہے۔ گویا انسان کا اپنا وجود ہے۔ پھر انسان انسان میں فرق ہے اور انسان بھی کئی مدارج کے ہیں۔ نہ صرف نسلِ انسانی بلکہ ایک ایک انسان کا وجود ماننا پڑتا ہے اور ہر وجود کو قیمتی قرار دینا پڑتا ہے۔ اگر دنیا کے سوا کوئی وجود ہی نہیں تو پھر ہر انسان کو ایک بلبلے کی حیثیت دینی پڑتی ہے جو یقیناً ہمارے روزمرہ کے تجربہ کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے انصاف اور عقل کی رُو سے یہی ماننا پڑتا ہے کہ ایک ازلی، ابدی، قدرت والا، اور ارادہ والا ہے۔ اُسی نے دنیا کو پیدا کیا، اور اُسی نے انسان کو پیدا کیا۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں یہ سبب اور مسبّب والی دلیل ٹھیک ہے لیکن اس سے ثابت کیا ہوتا ہے؟ ایک طاقتور خدا ضرور ثابت ہوتا ہے لیکن صفات والا خدا ثابت نہیں ہوتا جو ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کب کہتے ہیں کہ ایک ہی دلیل سے خدا کا وجود بھی ثابت ہو جاتا ہے اور اُس کی ساری صفات بھی ثابت ہو جاتی ہیں۔ ہر دلیل کا اپنا مقام اور فائدہ ہے جو اُس دلیل سے خاص ہے۔ بعض دلائل سے ایک نتیجہ نکلتا ہے۔ بعض اور دلائل سے اس نتیجہ سے کچھ زیادہ نتیجہ نکلتا ہے۔ جیسے مکان کی متعدد ضروریات ہوتی ہیں اور ان متعدد ضروریات کے لئے متعدد سامان کرنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ایک مکمل عقیدہ کو بیان کرنے کے لئے بھی کئی دلائل بیان کرنے پڑتے ہیں۔ انہیں کوئی الگ الگ دلائل سمجھ لے یا ایک ہی دلیل کے مختلف حصے سمجھ لے، یہ اور بات ہے۔

ہستی باریتعالیٰ کی ایک عظیم الشان دلیل

چنانچہ ایک دلیل ہمیں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق دنیا کے نظام اور اس کے قانونوں سے ملتی ہے۔ اور یہ ایک عظیم الشان دلیل ہے۔ فلسفی بھی اسے بیان کرتے ہیں اور ہم بھی جو خدا کو مانتے ہیں اسے بیان کرتے ہیں۔ جو لوگ عقیدہ وجودِ باری کو کمزور کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس پر جرح کرتے ہیں۔ عام آدمی بھی اسے سمجھتے اور پیش کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں بھی اس دلیل کو (مع بے شمار دلائل کے) پیش کیا گیا ہے۔ اور قرآن شریف میں تو اسے ایک چیلنج کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"تو بے شک اچھی طرح دیکھ لے تو خدا کی پیدا کردہ چیزوں میں کوئی رخنہ، کوئی نقص، کوئی کجی نہیں دیکھے گا۔ دیکھ پھر دیکھ اور پھر پھرا کر دیکھ، کیا تجھے کوئی بھی نقص نظر آتا ہے؟"

(سورہ ملک رکوع ۱)

اب دیکھئے لاکھوں کروڑوں اربوں سالوں میں جا کر ایک نظامِ شمسی تیار ہوتا ہے۔ اس کے کرّے ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے چکر کاٹنے لگتے ہیں اور سب کی تائید اس چھوٹے سے سیارے کو حاصل ہے جسے زمین کہتے ہیں اور جس پر بنی نوعِ انسان کی اور لکھوکھا قسم کے پودوں اور جانداروں کی بود و باش ہے۔ خود زمین کئی دوروں میں جا کر مکمل ہوئی ہے۔ اور اس تکمیل کا مقصد صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زندگی پروان چڑھے اور انسان جیسی نسل آباد ہو۔ اور انسان کو ایسی جسمانی اور دماغی قابلیتیں دی گئیں کہ وہ چھوٹے سکیل پر اپنے وجود اور اپنے کردار میں خدا تعالیٰ کی صفات کا ہلکا سا نقشہ پیش کر سکے تاکہ پیدا کرنے والے کا حسن ظاہر ہو اور اس کی قدرت اور رحمت سے زندگی پانے والے پیدائش کے مقصد کو پورا کر سکیں۔

اس مرحلہ پر ارتقا والے آموجود ہوتے ہیں۔ اور ارتقا والوں کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ شروع شروع میں انہوں نے یہ اثر پیدا کرنا چاہا کہ زندگی کا راز معلوم ہو گیا۔ گویا انسان کی پیدائش کے طبعی اسباب پر انسانی عقل حاوی ہو گئی لیکن جب زیادہ غور کیا گیا تو یہی ارتقا ایک زبردست اور پُر معنی نظام ثابت ہوا۔ اس سے یہ معلوم ہونے لگا کہ ارتقاءِ حیات ہی ایک قادر، اور مدبّر، اور منتظم اور رحیم و کریم ہستی کا مرہونِ منّت ہے۔ لکھوکھا نسلیں پیدا ہوتی گئیں اور ہر نسل اپنے ارتقا کے کمال کو پہنچ کر ایسے رُک گئی گویا اپنے مقررہ انجام کو پہنچ گئی ہے۔ یہی حال نسلِ انسانی کا ہوا۔ لاکھوں سالوں سے کہتے ہیں انسان کے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور انسانی کھوپری جس کے علم اور مشاہدہ اور سوچ بچار اور استدلال اور ایجاد اور اسی قسم کی اور قابلیتیں پیدا ہوتی ہیں اپنی اسی موجودہ شکل میں عرصہ سے موجود اور قائم ہے۔ گویا ارتقاء یعنی جسمانی ارتقا کی تکمیل ہو گئی لیکن انسانی ترقی نہیں رُکی، بلکہ آگے سے آگے قدم بڑھاتی گئی اور بڑھاتی چلی جا رہی ہے۔ نئے سے نئے علوم دریافت کرتے چلے جا رہے ہیں، گویا ترقی پر ترقی ہے۔

انسانی ترقی کا عظیم دور انسان کی عمرانی زندگی سے شروع ہوا۔ اس دورِ ترقی کے لئے بھی انسان کو بے شمار قابلیتیں اور استعدادیں دی گئیں۔ خدا کا منکر یہ سب کچھ دیکھتا ہے لیکن ترقی کی ہر منزل کو

کسی طبعی قانون یا بعض طبعی حالات کے ماتحت لا کر اُن کی قدر کو کم کرتا ہے۔ لیکن وہ بتائے کہ اگر یہ سب کچھ طبعی قانونوں اور طبعی حالات کے ماتحت ہی ہے تو تب بھی کیا یہ ماننا نہ پڑے گا کہ ان قانونوں اور ان حالات کو پیدا کرنے والا اور ان کے نتائج کو استقلال بخشنے والا کوئی وجود ہے۔ حق یہ ہے کہ ترقی کے ہر دَور کی ابتداء میں ایک پیدا کرنے والے کی ربوبیت کام کرتی نظر آتی ہے۔

انسانی تمدّن کی بنیاد کیسے پڑی؟

آج عمرانی علوم کے ماہر بیٹھ کر اندازے لگاتے ہیں کہ انسانی تمدن کی بنیاد کیسے پڑی؟ انسان میں مل کر رہنے اور مختلف قسم کے نظام ہائے حکومت ایجاد کرنے کی قابلیت کیسے پیدا ہوئی؟ معاشرہ کا سبق انسان نے کہاں سے سیکھا؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان اور حیوان میں ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ انسان کو زبان کا علم اور زبان کی استعداد دی گئی، یعنی بولنے اور بیان کرنے کی لیاقت جس سے کہ وہ اپنا مافی الضمیر ایک دوسرے کو بتا سکتے ہیں۔ اور انسان صرف بول ہی نہیں سکتا لکھ بھی سکتا ہے اور لکھے ہوئے کو محفوظ کر سکتا ہے۔ اسی قوتِ بیان سے انسانی کلچر کی تعمیر ہوئی، اسی سے فلسفے بنے اور سائنسیں بنیں، اسی سے انسان نے محبت کے اظہار کا سلیقہ سیکھا، اسی سے معاشرہ اور کاروبار چلنے لگا۔ لیکن آج تک عمرانیات کے ماہر کھوج نہیں نکال سکے کہ زبان کی ابتداء کیسے ہوئی؟

یہاں بھی وہی کچھ ہوا جو مادی تغیّرات کے مطالعے میں ہوا۔ ایک دفعہ مادہ کا وجود تسلیم کر لو پھر اس کے تغیّرات کے بیان کرنے میں ایسی مشکل نہیں رہتی۔ اسی طرح زبان کی ابتداء فرض کر لو کہ ہو گئی۔ پھر زبان زبان کے تغیّرات اور زبانوں کی ترقیات جو شاخ در شاخ ہوتی چلی گئیں ان کا بیان کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال تو یہی ہے کہ ابتداء کیسے ہوئی؟ جب تک ابتداء کے اعجاز کو تسلیم نہ کیا جائے گا دنیا کے مادی اور حیاتیاتی اور عمرانی اور اخلاقی اور ثقافتی ارتقا کو علمی طور پر حل نہیں کیا جا سکیگا۔

یہ درست ہے کہ نظامِ عالم میں لوگ نقص بھی نکالتے ہیں لیکن یہ نقص بالعموم عدمِ علم اور تحقیقات کی کمزوری پر دلالت کرتے ہیں۔ گویا وہ استثنائی صورتیں ہیں جو انسانی فہم سے تا حال دُور ہیں۔ پچھلا تجربہ تو یہی بتاتا ہے۔ بلکہ بایالوجی والے تو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے علم کی ترقی کا دارومدار ہی اِس اصول پر ہے کہ ہر ذی حیات چیز کے ہر حصہ کا کوئی نہ کوئی خاص مقصد یا وظیفہ ہے۔ چنانچہ جب ہم یہ فرض کر کے تحقیق شروع کرتے ہیں تو نئی سے نئی باتیں معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اسی سے آج طب میں ترقی ہو رہی ہے۔ اسی سے زراعت میں ترقی ہو رہی ہے، اسی اصول سے نئی سے نئی قسم کے اناج اور

سبزیوں اور انسان کے کام آنے والی بے شمار چیزوں کی دریافت اور اُن میں افزائش ہو رہی ہے۔ گویا نظامِ دنیا ایک زبردست حقیقت ہے اور اِس سے وجودِ باری کا ثبوت ملتا ہے۔

نیکی بدی کی تمیز کس نے پیدا کی ؟

اِسی طرح اخلاقی دلیل ہے۔ انسان میں نیکی بدی کی تمیز کے متعلق خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ یہ تمیز پیدا کی۔ اسی تمیز کی وجہ سے انسان کو باقی تمام قسم کی مخلوق پر فوقیت حاصل ہوئی۔ یہی اس کی پیدائش کا مقصد ثابت ہوئی، اِسی سے دنیا کی پیدائش کا مطلب حل ہوُا۔ اب نیکی بدی کے طبعی موجبات کے متعلق ہزار حیلے کئے گئے جو ایک سے ایک بڑھ کر ناقص اور ناکام ثابت ہوئے اور نیکی بدی کی تمیز اُن عجائبات میں سے ایک عجیب بات ہی رہی جن کا حل سوائے ایک خالق و مالک خدا کے ماننے کے اَور کوئی نہ مل سکا۔ دنیا کی ابتداء مجموعی طور پر، پیدائشِ انسانی اور قوائے انسانی کا ارتقا، ایجادِ زبان، ایجادِ معاشرہ، ایجادِ اخلاق و شریعت، یہ سب عجائبات ہیں جن کو خدا کے منکر حل نہیں کر سکتے۔

چنانچہ وجودِ باری کے منکر اخلاق کا مضمون بالکل مسخ کر دیتے ہیں۔ اوّل ان کی نظر باریک اخلاق پر بالکل نہیں رہتی، صرف موٹے موٹے دنیاداری کے اخلاق اُن کے سامنے رہتے ہیں۔ ایسے اخلاق کی طبعی بنیاد بیان کرتے وقت وہ انسان کے عام تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہیں مثلاً خوف، مثلاً لالچ، مثلاً طاقت کی ہوس۔ وہ کہتے ہیں کہ امن کی خواہش دراصل امن کی خواہش نہیں بلکہ کسی خوف، لالچ یا کسی چھپی ہوئی ہوس کا نتیجہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ

ان کا اخلاق کا نظریہ پست ہے اِسی لئے آجکل کے سیاسیئین، حکومتوں اور قوموں کے سربراہ جب امن کے متعلق سوچنے بیٹھتے ہیں تو اُن کے افکار میں وہ بلندی پیدا نہیں ہوتی جو حقیقی امن کے لئے ضروری ہے۔ وہ ایک دوسرے کو مات دینے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اِس کوشش میں رہتے ہیں کہ مدّمقابل کو کسی طرح اپنے ڈھب پر لے آئیں۔ امن کی حقیقی خواہش اور تڑپ نہیں ہوتی، امن کے لئے قربانی کا تصوّر اُن کے ذہن میں نہیں آتا۔ نہ ان اس کے لئے پوری خواہش، نہ امید اور نہ یقین۔

قریب کی بات ہے یعنی پچھلی صدی کی تیسری اور آخری چوتھائی کی بات ہے کہ انگلستان اور دوسرے مغربی ممالک کے دانشوروں نے ایک تحریک چلائی کہ اخلاق کا چرچا اور اخلاق کی تربیت اور اس کے متعلق جوش اور جذبہ پیدا کیا جائے لیکن خدا کا خیال درمیان میں نہ آنے دیا

جائے۔ گویا وہ دُنیا کو یہ بتانے نکلے کہ یہ خیال کہ اخلاق کا تصوّر اور اخلاق کے متعلق علم اور تڑپ یہ سب کچھ دنیا میں خدا پرستوں کے ذریعہ یعنی انبیاء اور اولیاء اور اُن کے شاگردوں کے طفیل دنیا میں آیا ہے غلط ہے۔ بلکہ اخلاق کا تصوّر خدا کے خیال کے بغیر بھی آ سکتا ہے۔ گویا گزشتہ زمانے میں بھی اخلاق اور اخلاقیات کے سلسلہ میں انبیاء اور اولیاء کا رول (role) ایک ثانوی درجہ رکھتا ہے۔

لیکن ہوُا کیا؟ ہوُا یہ کہ ان لوگوں نے ہزار حیلے کئے لیکن چند وہمی لوگوں کے سوا کسی کو اپنے اِس موقف پر جمع نہ کر سکے۔ ہر اتوار کو اجتماع بھی کرتے، وعظ بھی کرتے، چندے بھی کرتے، کتابیں، پمفلٹ اور اشتہار بھی چھاپتے، لیکن جب اخلاق کی مثالیں دینی ہوتیں تو پھر بائیبل میں سے یا دوسری مذہبی کتابوں میں سے انبیاء کے حالات ہی پڑھ کر سُناتے۔ گویا اخلاق کا نمونہ خدا پرستوں کے سوا کہیں نہ ملتا۔ آخر انہوں نے اپنی صف لپیٹ دی اور یہ تحریک جو کہ اخلاقی کہلاتی ہے یعنی (Ethical Movement) خود ہی ختم ہو گئی۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ جب نمونہ کے لئے ہمیں خدا پرستوں کے پاس ہی جانا ہے تو پھر تکلّف سے خدا کے ذکر کو نکال دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ایسے دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا پر ایمان رکھنے والوں کے پاس نہ صرف اسکے وجود کے دلائل ہیں بلکہ اس کی صفات کے دلائل بھی ہیں۔ یہی نظامِ دنیا کی دلیل ثابت کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ ایک مدبّر ہستی ہے اور دُنیا ایک پُر حکمت وجود ہے اور انسان کو بڑے مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اخلاقی دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان آزاد اور ذمّہ دار وجود ہے جس کے وجود پر غور کر کے ہم خدا کے حُسن کا خفیف سا اندازہ کر سکتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی صفات اور اُن کی تجلّی

خدا تعالیٰ کے صفات اُس کے وجود کی طرح بے انتہا ہیں۔ ایک ایک صفت کی تجلّی ہوتی رہتی ہے اور ایک ایک صفت اس کے وجود پر دلیل ہے اور اس کے متعلق ایک نہ ختم ہونے والا علم بخشتی ہے۔

مثال کے طور پر صفتِ تکلّم کو لیجئے۔ فلسفہ والے بھی یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ انسان، انسان کے وجود سے کیسے باخبر ہوتا ہے۔ دیکھنے سُننے سے تو محض سطحی علم ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان انسان کے متعلق گہرا علم کس طرح حاصل کرتا ہے؟

اِس بحث کو اُٹھانے کے بعد ایک جواب جو اکثر کی تسلی کا موجب بنتا ہے یہ ہے کہ سب انسان ہوش سنبھالتے ہی ایک دوسرے سے کلام کرنے لگتے ہیں۔ نہیں کہہ سکتے کہ تکلم کی ابتداء انسانی فرد میں یعنی انسانی بچے میں کب ہوتی ہے۔ تکلم ہے تو اعجاز ہی لیکن بہرحال انسان انسان سے کلام کرتا ہے کلام کے ذریعہ ہی انسان انسان کا آپس میں رابطہ قائم ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کی شناخت، ایک دوسرے سے لین دین، ایک دوسرے سے سلوک، کا راستہ کھلتا ہے۔ گویا ایک دوسرے کے وجود کا علم اور اس کے متعلق یقین کلام سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جواب ہے جو اکثر فلسفیوں کو دماغی تسلی دیتا ہے۔ اب یہی کلام اور یہی تکلم کی صفت ہے جس سے خدا تعالیٰ نے ابتدائے دنیا سے اپنا آپ انسان پر ظاہر کیا۔ جو بھی یہ کہتا ہے غلط کہتا ہے کہ دنیا کے عاقلوں نے یا دانشوروں نے خدا کے متعلق پتہ لگایا۔ یہ بھی غلط ہے کہ بھٹکتے بھٹکتے یعنی سعی و خطا کے ایک لمبے سلسلہ سے، قسم قسم کے توہمات اور مشرکانہ خیالات میں سے گزر کر انسان کو خدا کا پتہ چلا۔ تاریخ اِن خیالات کو جھٹلاتی ہے۔ ابتدائے تمدن کا مطالعہ کرنے والے خود اِن خیالات سے اب بیزاری کا اعلان کر رہے ہیں اور مانتے ہیں کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ خدا کا خیال، اور ایک خدا کا خیال، اور کامل الصفات خدا کا خیال کب سے انسانوں میں رائج ہے۔ پس جس طرح انسان انسان کا وجود کلام کے ذریعہ معلوم کرتا اور اس کے متعلق یقین حاصل کرتا ہے اسی طرح انسان کا خدا کے متعلق جو علم ہے وہ بھی خدا کے کلام سے ہی حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح ابتدائے دنیا سے حاصل ہوتا رہا ہے۔ اور خدا کا کلام ایک ہی دفعہ نہیں اور ایک ہی ملک میں یا ایک ہی قوم کے منتخب لوگوں کے ساتھ نہیں ہوا، بلکہ ملک ملک میں اور قوم قوم میں اور لاکھوں ہزاروں عظیم انسانوں پر اس کی تجلی ہوتی رہی ہے اور یہ انسان دنیا بھر میں دنیا کے چنندہ انسان سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی عقل، ان کے مواعظ، ان کا کردار، باقی انسانوں کے لئے نمونہ بنا اور آج تک ان سے زیادہ اور کسی طبقہ یا پیشے کے انسانوں کا احترام دنیاداروں کے دلوں میں جاگزیں نہ ہو سکا۔ یہ لوگ اصطلاحاً انبیاء کہلائے۔ ان کے علاوہ کروڑوں اولیاء اپنے اپنے رنگ میں خدا کا کلام سُنتے رہے اور اس کلام کے ذریعہ خود بھی علم اور یقین حاصل کرتے رہے اور اپنے گرد و پیش کے لوگوں میں بھی وہی علم اور یقین پھیلاتے رہے۔ پھر ان بابرکت وجودوں میں خود ایک انتظام اور ایک اخوت نظر آتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ ایک دوسرے کے متعلق خوشخبریاں سُناتے چلے گئے ہیں، گویا ایک دوسرے کی تائید کرتے گئے ہیں اور آج جبکہ انسان کی روحانی تاریخ کے کئی دور مکمل ہو چکے ہیں اور انسان

روحانی تاریخ کے آخری اور مرکزی نقطہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آچکے اور اپنا کام کر چکے بلکہ آپ کے نائب مسیح موعود علیہ السلام بھی حسبِ وعدہ آئے اور اپنا کام کر چکے۔ آج کوئی عقلمند انسان، عدل اور انصاف کا پاس رکھنے والا انسان، اِس قیل وقال پر سنجیدگی سے اور کسی نتیجہ پر پہنچنے کی نیت سے غور کرنے والا انسان اِس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ واقعی اِس دنیا کا پیدا کرنے والا ایک خالق ومالک خدا ہے جو سراسر رحمت و قدرت ہے جسے ہم آج بھی جان اور پہچان سکتے ہیں اور جس سے ہم آج بھی محبت اور فرمانبرداری کا تعلق قائم کر سکتے ہیں۔

خود ہمارے زمانے کی بے شمار خبریں قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام پاک میں ملتی ہیں اور دیگر آسمانی صحیفوں میں بھی ملتی ہیں۔ یہ سب خبریں پکار پکار کر شہادت دے رہی ہیں کہ واقعی خدا ہے اور اُس نے انسان سے کلام کیا اور آج بھی کرتا ہے۔ گویا اِس چھ ہزار سال کی مدت میں ـــــ جو کہ انسان کے شعور اور عقل سمجھ کی زندگی ہے ـــــ خدا اور انسان میں برابر ایک مکالمہ ہوتا چلا آیا ہے۔ اِس کا انکار ناشکری اور نااہلی نہیں تو اَور کیا ہے؟

اُمتِ محمدیہ خدا کی آخری قوم ہے جس نے خدا کا کامل کلام سُنا۔ اس کے متعلق کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حجّت ہے یا آپؐ کے زمانے یا آپؐ کے صحابہؓ کے لئے حجّت ہے۔

مَیں نے شروع میں ولیم جیمیس کی مشہور کتاب "وارداتِ روحانی" کا ذکر کیا تھا۔ ان واردات کو معترضین شخصی واردات کہہ کر ڈسمس کر دیتے ہیں لیکن قرآنی وحی کے متعلق کیا کہیں گے؟ وہ تو محفوظ الفاظ میں ہے اور گزشتہ تاریخ پر بھی روشنی ڈالتی ہے اور آئندہ کے واقعات پر بھی روشنی ڈالتی ہے، جو اخلاق اور سیاست اور امن اور روحانی ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کے متعلق علم بھی دیتی ہے اور غور کرنے والوں کو اُن مدارج کے حصول کے لئے کامیابی سے اُکساتی بھی ہے۔ پھر اُمتِ محمدیہ میں خدا تعالیٰ کا کلام تسلسل سے جاری ہے۔ چنانچہ ہر صدی اور ہر اسلامی ملک میں خدا کا کلام سُننے والے پیدا ہوتے رہے اور آج اُمتِ محمدیہ کے بطلِ جلیل ـــــ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ـــــ کے دل پر خدا کا کلام پھر نازل ہوا ہے پس خدا برحق ہے اسکے وعدے بھی برحق ہیں۔

مایوسی کی کوئی وجہ نہیں

آجکل بعض طبائع پچھلی دو جنگوں سے اور ایک تیسری جنگ سے جس کا خوف ہر وقت دامنگیر

رہتا ہے مایوسی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ اگر کوئی خدا ہے بھی تو اُس نے دنیا کا خیال چھوڑ دیا ہے۔ اس سے اتنا تو لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کے دُکھ درد انسان کی اپنی ہی کارروائیوں کا نتیجہ ہیں۔ ان کا الزام خدا پر نہیں بلکہ انسان پر ہے کیونکہ وہ انسان کی اپنی صنعت ہیں۔ لیکن کوئی مایوس نہ ہو۔ خدا نے اپنے سب وعدے پورے کئے اور ہمیشہ کئے۔ جب دنیا ایک مقصد کے لئے پیدا ہوئی ہے اور پیدائش انسانی خود ایک بڑے مقصد کے لئے ہے تو ہو نہیں سکتا کہ اس مقصد کے حاصل ہونے کے بغیر ہی دنیا کی صف لپیٹ دی جائے۔ پس دنیا دیکھے گی کہ اس دفعہ ایک دفعہ پھر خدا کو ماننے والے ہی جیتیں گے اور خدا کو نہ ماننے والے ہی ہاریں گے۔

اب معترض بیماریوں اور وراثتی کمزوریوں اور بدنصیبیوں کا ذکر اتنا نہیں کرتے کیونکہ سائنس کی ترقی نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی ہے کہ بیماریوں کی ذمہ داری انسانی فطرت پر یا انسانی جسم کی قدرتی ساخت پر ہرگز نہیں۔ کیونکہ فطرت اور قدرت تو مرامر صحت کے لئے وقف نظر آتی ہیں۔ بیماریوں کی ذمہ داری یا بدپرہیزیوں، بے احتیاطیوں پر ہے یا ماحول کی خرابیوں پر۔ انسان کا حُسن اُس کی آزادی میں ہے۔ اسی پر فلسفہ والے، خصوصاً ہمارے زمانے کے فلسفہ والے زور دے رہے ہیں۔ پھر آزاد انسان کے ساتھ غلطی، بدپرہیزی، بے احتیاطی کا امکان ایک لازمہ کے طور پر ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی رحمت کا پہلو پھر غالب رہتا ہے۔ اب ورثہ کے متعلق تحقیق کرنے والے بتاتے ہیں کہ ورثہ کے نقائص کے متعلق قدرت کا غالب میلان یہ ہے کہ اس کے اثرات کو کم کرے۔ اگر کسی بات میں غلو پیدا ہو جائے تو ورثہ کا قانون کہتا ہے کہ قدرت کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ غلو کو کم کیا جائے اور اعتدال کی طرف میلان زیادہ ہو۔

مجھے ایک دفعہ شوق ہوا کہ معلوم کروں کہ کیا جرائم کا میلان بھی ورثہ میں ہوتا ہے۔ سو مجھے بہت خوشی ہوئی کہ زیادہ وسیع عالم اور محقق جرائم کے ورثہ کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ جرائم ماحول سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بعض گروہ جو جرائم میں مشہور ہو جاتے ہیں، اس لئے مشہور ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو جرائم سکھاتے جاتے ہیں۔

نوجوانوں کا ایک اہم فرض

آخر میں نہایت اختصار سے مَیں ــــ علی الخصوص اپنے نوجوان دوستوں کو ــــ کہ اُن سے مجھے ملنے کے خاص موقعے ملتے ہیں ــــ توجہ دلاتا ہوں کہ خدا کے متعلق تحقیق اور دلائل اور

اعتراضات اور اُن کے جواب سُننا سُنانا ایک مفید مشغلہ ہے۔ اس سے ذہن تیز ہوتے ہیں اور فکر میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اصل فائدہ اس مضمون کا ان کو ہے جو اس بات کا عزم کر لیں کہ جب خدا تعالیٰ کے متعلق ہمیں علم و یقین حاصل ہو جائے تو پھر اس سے فرماں برداری کا عہد باندھیں اور پھر اس عہد پر قائم رہیں اور دوسروں کو بھی اسی عزم کی طرف بُلاتے رہیں۔ کیونکہ ہم ہر میدان میں ترقی کر سکتے ہیں، کامیاب بھی ہو سکتے ہیں، شہرت بھی پا سکتے ہیں۔ وہ خوشیاں بھی حاصل کر سکتے ہیں جو دنیا کی کامیابیوں اور دنیا کی شہرت —— ہاں نیک شہرت —— سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ لیکن انسان کی اصل عظمت اور اس کی اصل کامیابی اس میں ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے اور پہچان کر اس سے فرماں برداری کا عہد باندھے اور اس عہد میں کامیاب ہو۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ؏

گناہ سے بچنے کے دو طریق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"وہ چیز جو انسان اور رحمٰن میں دُوری اور تفرقہ ڈالتی ہے وہ فقط گناہ ہی ہے۔ جو اس سے بچ گیا اس نے خدا تعالیٰ کی گود میں پناہ لی۔ دراصل گناہ سے بچنے کے لئے دو ہی طریق ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان خود کوشش کرے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سے جو زبردست مالک وقادر ہے استقامت طلب کرے یہاں تک کہ اسے پاک زندگی میسّر آوے۔ اور یہی تزکیۂ نفس کہلاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صت۲۴۴)

انصار اللہ کے بارھویں سالانہ اجتماع کا پروگرام

۲۷ اکتوبر ——— بروز جمعۃ المبارک

اجلاس اول

۰ــ۳ تا ۸ــ۳	تلاوتِ قرآن مجید	مکرم حافظ مسعود احمد صاحب
۸ــ۳ تا اختتام تقریر	عہد و افتتاح و دُعا	سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔
۱۰ منٹ	درسِ قرآن مجید	مکرم شیخ مبارک احمد صاحب
۸ منٹ	درس حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر
۸ منٹ	درس کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام	مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف
۴۰ منٹ	تفریحی کھیلیں	
۴۰ــ۵ تا ۳۰ــ۷	وقفہ برائے نماز مغرب و عشاء و طعام	

اجلاس دوم

۳۰ــ۷ تا ۴۰ــ۷	تلاوتِ قرآن مجید	مکرم مولانا ابو العطاء صاحب
۴۰ــ۷ تا ۴۰ــ۸	سالانہ رپورٹ	قائدین مرکزیہ رپورٹ پیش کریں گے۔
۴۰ــ تا ۴۰ــ۹	مجلس شوریٰ	
۴۰ــ تا ۵۵ــ۹	قبولیتِ دُعا کی دو ذاتی مثالیں	مکرم شیخ مبارک احمد صاحب

شب بخیر

۲۸ اکتوبر ——— بروز ہفتہ

اجلاس سوم

۳۰ــ۴ تا ۰ــ۵	نماز تہجد	
۰ــ۵ تا ۲۵ــ۵	نماز فجر	

۵-۳۵ تا ۵-۵۰	درس قرآن مجید	مکرم مولوی ظہور حسین صاحب
۵-۵۰ تا ۷-۰۰	ذکرِ حبیب علیہ السلام	
۷-۰۰ تا ۹-۰۰	ناشتہ وغیرہ	

اجلاس چہارم

۹-۰۰ تا ۹-۱۰	تلاوتِ قرآن مجید	مکرم حافظ شفیق احمد صاحب
۹-۱۰ تا ۹-۲۰	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۹-۲۰ تا ۹-۲۵	درسِ قرآن مجید	محترم مولانا ابوالعطاء صاحب
۹-۲۵ تا ۹-۴۷	درس حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب
۹-۴۷ تا ۱۰-۰۰	درس کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام	مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۱۵	صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جاں نثاری اور وفاداری۔	مکرم مولانا غلام احمد صاحب فرخ
۱۰-۱۵ تا ۱۰-۳۰	درازیٔ عمر کے اصول	مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب
۱۰-۳۰ تا ۱۰-۴۰	کچھ ماہنامہ انصار اللہ کے متعلق	مکرم شیخ مبارک احمد صاحب
۱۰-۴۰ تا ۱۰-۴۷	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۱۰-۴۷ تا ۱۱-۴۷	انعامی تقریری مقابلہ	

نوٹ:۔ ہر تقریر کے لئے پانچ منٹ کا وقت مخصوص ہوگا۔

عنوانات:۔

۱۔ نماز باجماعت کی اہمیت و ضرورت

۲۔ خلافتِ ثالثہ کے مبارک دور میں ہمارے فرائض

۳۔ تحریکِ تعلیم القرآن کی اہمیت

۴۔ اسلام کی فتح اور غلبہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے وعدے اور ہمارا فرض۔

۵۔ تربیتِ اولاد کے لئے نیک نمونہ کی ضرورت و اہمیت۔

منصفین:۔

مکرم شیخ محمد حنیف صاحب

مکرم بابو شمس الدین خان صاحب

مکرم چوہدری انور حسین صاحب

۴۷-۱۱ تا ۲۷-۱۲	سوال و جواب	محترم مولانا ابوالعطاء صاحب محترم مرزا عبدالحق صاحب اور محترم قاضی محمد نذیر صاحب جواب دیں گے۔
۲۷-۱۲ تا ۳۰-۲	وقفہ برائے نماز ظہر و عصر و طعام	

اجلاس پنجم

۳۰-۲ تا ۴۰-۲	تلاوتِ قرآن مجید	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۴۰-۲ تا ۵۰-۲	نظم	مکرم چوہدری عبدالعزیز صاحب
۵۰-۲ تا ۵-۳	درسِ قرآن مجید	مکرم قاضی محمد نذیر صاحب
۵-۳ تا ۲۰-۳	روحانی سلسلوں میں نقطۂ مرکزی	مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی
۲۰-۳ تا ۳۵-۳	برکاتِ خلافت	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب
۳۵-۳ تا ۵۰-۳	تمام بزرگیاں نبوت و خلافتِ راشدہ کے قدموں میں ہیں۔	محترم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری
۵۰-۳ تا ۵-۴	کبر و نخوت اور روحانیت	مکرم مولوی غلام احمد صاحب فرخ
۵-۴ تا ۲۰-۴	اطاعتِ امام از روئے اقوالِ بزرگانِ سلف	مکرم شیخ مبارک احمد صاحب
۲۰-۴ تا ۳۵-۴	حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی جاری فرمودہ تحریکات اور اُن کے اثرات۔	مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب
۳۵-۴ تا ۳۵-۵	تفریحی و ورزشی مقابلہ جات	
۳۵-۵ تا ۳۰-۷	وقفہ برائے نماز مغرب و عشاء و طعام	

اجلاس ششم

۳۰-۷ تا ۴۰-۷	تلاوتِ قرآن مجید	مکرم محمد شفیع خان صاحب نجیب آبادی
۴۰-۷ تا ۵۵-۷	تقسیم انعامات	محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نائب صدر مجلس انصار اللہ

۷-۵۵ تا ۹-۳۰	شوریٰ	
۹-۳۰ تا ۹-۴۵	حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے سفر یورپ کے متعلق تأثرات اور حضور کے لئے دُعا کی تحریک۔	مکرم چوہدری محمد علی صاحب ایم-اے
	شب بخیر	

۲۹ اکتوبر ——— بروز اتوار

اجلاس ہفتم

۴-۳۰ تا ۵-۰۰	نماز تہجد	
۵-۰۰ تا ۵-۳۵	نماز فجر	
۵-۳۵ تا ۵-۵۰	درسِ قرآن مجید	مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب
۵-۵۰ تا ۷-۰۰	ذکر حبیب علیہ السلام	
۷-۰۰ تا ۹-۰۰	ناشتہ وغیرہ	

اجلاس ہشتم

۹-۰۰ تا ۹-۱۰	تلاوتِ قرآن مجید	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۹-۱۰ تا ۹-۲۰	نظم	مکرم چوہدری عبدالعزیز صاحب
۹-۲۰ تا ۹-۲۵	سلسلہ احمدیہ کے قیام کی غرض	مکرم شیخ محمد حنیف صاحب
۹-۲۵ تا ۹-۵۰	مقامِ عبودیت از رُوئے قرآن مجید	مکرم مرزا عبدالحق صاحب
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۵	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کو نصائح	مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر
۱۰-۰۵ تا ۱۰-۱۵	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۱۰-۱۵ تا ۱۰-۳۰	نظامِ سلسلہ کی اہمیت	مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب
۱۰-۳۰ تا ۱۰-۴۵	خلافتِ راشدہ کے تقاضے	مکرم مولانا غلام احمد صاحب فرخ
۱۰-۴۵ تا ۱۱-۰۰	منکرینِ خلافت کے اعتراضات کے جوابات	مکرم شیخ مبارک احمد صاحب
۱۱-۰۰ تا ۱۱-۲۰	خلافتِ راشدہ اور تجدید و احیائے دین	مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب

۳۰-۱۱ تا ۳۰-۱۱	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۳۰-۱۱ تا اختتام تقریر عہد و دُعا	خطاب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نوٹ:- (۱) صدر مجلس کی منظوری سے پروگرام میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

(۲) یہ اجتماع پرائیویٹ ہے اور ایک پرائیویٹ احاطہ میں منعقد ہو رہا ہے۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۶۷ء　　قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ

عَلَمِ انعامی اور اَسنادِ خوشنودی کے لئے ذیلی قواعد

جملہ مجالس کی اطلاع کے لئے اعلان ہے کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے عَلَمِ انعامی اور علاقائی مجالس کے لئے اسناد خوشنودی کے سرٹیفکیٹس کیلئے مندرجہ ذیل ذیلی قواعد مقرر فرمائے ہیں:-

(الف) عَلَمِ انعامی اور سندات صرف اُنہی مجالس کو دی جائیں گی جنہوں نے دورانِ سال جملہ قیادتوں کے ساتھ عملی تعاون کیا ہو۔

(ب) تعاون کرنے والی اور اس اعزاز کی حقدار صرف وہی مجلس سمجھی جائے گی جس نے تمام قیادتوں سے پچھتر فیصد نمبر حاصل کئے ہوں۔

قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ

ریا سے بڑھ کر نیکیوں کا دشمن کوئی نہیں

خوش قسمت ہے وہ انسان جو ریا سے بچے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

’’جو شخص خدا تعالیٰ سے پوشیدہ طور پر صلح کر لیتا ہے خدا تعالیٰ اسے عزت دیتا ہے - یہ مت خیال کرو کہ جو کام تم چھپ کر خدا کے لئے کرو گے وہ مخفی رہے گا - ریا سے بڑھ کر نیکیوں کا دشمن کوئی نہیں - ریا کار کے دل میں کبھی ٹھنڈک نہیں پڑتی ہے جب تک کہ پورا حصہ نہ لے لے - مگر ریا ہر مال کو جلا دیتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا - خوش قسمت ہے وہ انسان جو ریا سے بچے اور جو کام کرے وہ خدا تعالیٰ کے لئے کرے - ریا کاروں کی حالت عجیب ہوتی ہے - خدا تعالیٰ کے لئے جب خرچ کرنا ہو تو وہ کفایت شعاری سے کام لیتا ہے لیکن جب ریا کا موقع ہو تو پھر ایک کی بجائے سو دیتا ہے - اور دوسرے موقع پر اسی مقصد کے لئے دو کا دینا کافی سمجھتا ہے - اس لئے اس مرض سے بچنے کی دعا کرتے رہو -

جو لوگ اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے وہ ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے - انہیں اس بات سے غرض ہی نہیں ہوتی کہ کوئی ان کے دئے ہوئے مال کا ذکر بھی کرے - دنیا مزرعہ آخرت ہے یعنی آخرت کی کھیتی ہے - جو کچھ بنانا ہے اسی دنیا میں بناؤ - جو شخص روحانی مال و دولت اور جائداد یہاں جمع کرے گا وہ خوشحال ہو گا ورنہ یہاں سے خالی ہاتھ جانا ہو گا اور بڑے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا - اس وقت نہ مال کام آئے گا نہ اولاد اور نہ دوسرے عزیز جن کے لئے دین کے پہلو کو چھوڑا تھا ،،

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۳۹۰، ۳۹۱)

ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپا